ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نَو

بلریاگنج

ہماری عید اگر شعائر اسلام کو قائم رکھتی ہے، مذہبی روح کو زندہ کرتی ہے، مذہب کے کارنامۂ اعمال کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، عہد محبت و میثاق الٰہی کی تجدید کرتی ہے، تمام امت کو ایک نظام میں مربوط کردیتی ہے، مختلف ممالک کے مسلمانوں کے درمیان سفارت کا کام دیتی ہے تو بلاشبہ وہ عید ہے۔

ابوالکلام آزادؒ۔ رسولِ رحمت / ۲۴۷

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

ذی الحجہ و محرم ۲۳-۱۴۲۲ھ
جنوری فروری ۲۰۰۲ء

جلد نمبر ۱۹

شمارہ نمبر ۱-۲

مدیر مسئول
ابوالمکارم ازہری

معاون مدیر
انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زرتعاون: ۹۰ روپے
☆ خصوصی زرتعاون: ۲۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لیے: ۶۰ روپے
☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ اس شمارہ کی قیمت: ۱۵ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے لہٰذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح
بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
Phone 05466-25115

نقوش حیات نو

اداریہ		
قربانی کا پیغام	انیس احمد	۳
مقالات		
قیامت کی نشانیاں (۳)	یوسف ابن عبد اللہ ابن یوسف	۵
قربانی اور اسکے احکام	ادارہ	۱۴
ظلمت میں نور		
ترک خاتون کا قبول اسلام		۲۰
بحث ونظر		
مساوات جنس (۲)	اے ایچ تھانی ترجمہ: فلک ظہیر	۲۴
قربانی پر اعتراضات کا ایک جائزہ	عبد البر اثری	۳۸
خوارج اور خارجیت تجزیہ	ابو الحارث فلاحی	۴۳
[illegible] جنگ عراق کے اصل مقاصد	شاہ عالم فلاحی	۴۷
مذاہب عالم		
بدھ مت (۱)	انیس احمد فلاحی	۵۰
فقہ وفتاویٰ		
خصی جانور کی قربانی		۶۰
غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت کھلانے کا حکم		
بھینس کی قربانی	ابو ارقم فلاحی	
جامعہ کے لیل ونہار		
نو واردان بساط انجمن	ادارہ	۶۳
مسجد کے باہر لہلہاتی کیاریاں		
تربیتی حج کیمپ کا انعقاد		
اظہار تعزیت		
تعطیلات تعلیمی سال		

اداریہ

قربانی کا پیغام

انیس احمد فلاحی

اگر یہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک حرکی دین ہے تو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسکی حیات وبقاء جہاد ہے اس لئے جذبۂ جہاد کی آبیاری کا سال بہ سال اہتمام ناگزیر امر تھا قربانی دراصل اسی جذبہ کی تربیت وتدریب کا سالانہ پروگرام ہے۔ چونکہ اپنی اس حیثیت سے وہ دین کا اہم ترین مدار علیہ قرار پاتا ہے اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی اہمیت کی ان الفاظ میں نشاندہی کی:

"عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: ما عمل ابن آدم من عمل أيام النحر أحب إلى الله من إهراق الدم و إنه لتأتي يوم القيامة بقرونها و أشعارها و أظلافها و إن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع على الارض فطيبوا بها نفسا"
(ابن ماجه)

ایام قربانی میں خدا کے نزدیک انسان کا کوئی عمل اتنا محبوب نہیں جتنا قربانی اور یقیناً قربان کئے گئے جانور قیامت کے دن اپنی سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئیں گے۔ اور یقیناً زمین پر ایک قطرہ دم گرنے سے پہلے وہ خدا کی نگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے لہذا قربانی کے اس عظیم ثواب کے ذریعہ اپنے دلوں کو خوش کرو۔

ترمذی شریف میں ہے: "الأضحية لصاحبها بكل شعرة حسنة"۔ قربانی کرنے والے کو قربان کئے گئے جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔

قربانی کی یہ اہمیت وفضیلت اس وجہ سے ہے کہ اسی میں فرد، نفس اور قوموں کی ترقی مضمر ہے۔ قربانی کا جانور خدا کی بارگاہ میں قربان کرتے وقت خدا کے مالک و برتر ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اسکی راہ میں وقت آنے پر جان ومال کی قربانی پیش کرنے کے حوصلے کو جلا ملتی ہے۔

روحانی ترقی، خیالات کی پاکیزگی، اور دلوں کی صفائی خواہشات نفس اور مرغوبات دنیا کی

قربانی دیئے بغیر ممکن نہیں۔

"قد افلح من زکاھا و قد خاب من دسھا" کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے خواہشات کو ترک کرکے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور ناکام ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گدلا کر دیا۔

دین و قوم کی سربلندی کا انحصار بھی قربانی پر ہے۔ دین کا غلبہ اور اقوام عالم کی سیادت اسی وقت ممکن ہے جب قوم کا ہر فرد اجتماعی و دینی مفاد کے لئے اپنے ذاتی، گروہی اور علاقائی مفادات کی قربانی دے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے بجائے دین کے مقتضیات کی تکمیل کرے۔ ملت کے اتحاد کے لئے اپنی ذاتی رایوں کی قربانی دے۔ اور کفر و باطل کی یلغار کے وقت اپنے جان و مال کی قربانی پیش کرے۔

دیکھئے دین و ایمان کے لئے جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھر بار، اعزہ و اقارب، وطن اور خواہشات کو قربان کرتے ہوئے ہجرت کی راہ اپنائی تو انہیں اقوام عالم کا امام منتخب کیا گیا اور آپکی نسل وراثت امامت کے منصب پر فائز ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب اپنے گھر بار، اور جان و مال کی عظیم قربانیاں پیش کیں تو انہیں عرب و عجم پر سیادت و قیادت حاصل ہوئی۔ اور دنیا اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ انکے پاؤں تلے آگئی۔

قربانی کا یہ مہینہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ منصب امامت و قیادت کا حصول قربانی کے بغیر ممکن نہیں، کہ یہی سرچشمۂ قوت ہے۔

مقالات

قیامت کی نشانیاں
(۳)

یوسف الواجل

۶ : سابقہ امتوں کی پیروی : یہود و نصاریٰ کی تقلید، ان عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے جسکی خبر آپ ﷺ نے ان لفظوں میں دی ہے : "قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ میری امت پچھلی قوموں کی ہو بہو پیروی نہ کرنے لگے۔ آپ سے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کیا فارس و روم کی، آپؐ نے جواب دیا ہاں، لوگوں میں ان کے علاوہ کون ہے (بخاری شریف ۱۳ / ۳۰۰، کتاب الاعتصام)

ابو سعید الخدریؓ کی روایت میں ہے کہ ہم نے پوچھا اے رسول خدا، کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں تو آپؐ نے جواب دیا تو پھر انکے علاوہ کون ہو سکتے ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب العلم ۱۶ / ۲۱۹)

یہود و نصاریٰ اور مشرقی اقوام کی تقلید مسلم سماج میں بالکل عام ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد انکی تہذیب و تمدن کو اختیار کر چکی ہے اور یہ فتنہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ بعض کے پاس تو صرف برائے نام اسلام رہ گیا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شریعت محمدیہ سے کنارہ کش اور کفار و مشرکین کے قوانین کے تابع ہو گئی ہے۔ کفار و مشرکین کی پیروی میں مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کی انتہائی حسین تصویر اس حدیث میں اللہ کے رسولؐ نے یوں بیان کر دی تھی "تم انکی ہر ہر معاملہ میں، ایک ایک بالشت پر موافقت کروگے یہانتک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوں گے تو تم بھی انکے پیچھے پیچھے اسمیں داخل ہو جاؤگے۔

۷ : مدعیان نبوت کا ظہور : قیامت کی وہ نشانیاں جو ظاہر ہو چکی ہیں ان میں ان کذابوں کا خروج بھی ہے جو نبوت کے دعویدار تھے اور جن کی تعداد تقریبا تیس ہوگی اور جن میں سے بعض عہد نبوی میں ہی ظاہر ہوگئے اور بعض عہد صحابہ میں اور برابر ان کا خروج ہوتا رہے گا۔ یہانتک کہ قیامت واقع ہو جائے گی۔

بخاری و مسلم میں ہے: "قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ تیس کذابوں کا ظہور نہ ہو جائے ان میں سے ہر ایک کا یہ گمان ہوگا کہ وہ نبی ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۲/۶۱۶)۔

تیس سے مراد تحدید و حصر نہیں بلکہ اسمیں ان مدعیان نبوت کی جانب اشارہ ہے جو صاحب اقتدار ہوں گے اور جنکے اعوان وانصار کی کثرت ہوگی۔ (فتح الباری ۶/۶۱۷)

ان تیس دجالوں میں سے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے آخری عہد میں مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا آپ ﷺ سے اسکی خط و کتابت بھی ہوئی اور آپ نے اسے "الکذاب" کا لقب عطا فرمایا آپکے انتقال کے بعد اس کا فتنہ بڑھ گیا، اسکے اعوان وانصار کی تعداد بڑھ گئی تا آنکہ عہد فاروقی میں یمامہ کی مشہور جنگ میں صحابہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

عہد نبوی ہی میں یمن کے علاقے میں الاسود العنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا جسے صحابہ نے آپؐ کی وفات سے پہلے قتل کر دیا۔ سجاح نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا جس سے مسیلمہ نے شادی کر لی البتہ مسیلمہ کے قتل کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا۔

طلیحہ بن خویلد الاسدی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا لیکن بعد میں توبہ کر کے اسلام کی جانب لوٹ آئے۔ ان لوگوں کے بعد عہد اموی میں مختار بن ابی عبید الثقفی نے پہلے امام حسینؓ کے قصاص کا نعرہ لگا کر اہل کوفہ کو اپنی جانب مائل کیا اور عبد اللہ بن زبیر کی خلافت کے آغاز میں اس نے کوفہ پر اپنا تسلط جما لیا لیکن پھر شیطان کے بہکاوے میں آکر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ (دیکھئے فتح الباری ۶/۶۱۷)

ابراہیم النخعی نے عبیدہ السلمانی سے پوچھا کہ کیا یہ مختار بھی دجالوں میں سے ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ انکے سرداروں سے ایک ہے۔ (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۱۱/۴۸۶)

عبد الملکؒ بن مروان کے عہد خلافت میں الحارث الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قتل کیا گیا۔ پھر خلافت عباسیہ اور بعد کے ادوار میں بھی بعض مدعیان نبوت کا ظہور ہوا، جن

میں سب سے مشہور مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس نے انگریزوں کی شہ پر پہلے مسیح منتظر ہونے اور بعد میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کا فتنہ پنجاب اور اسکے اطراف میں کافی پھلا پھولا یہانتک کہ اسکے ساتھیوں اور پیروکاروں کی ایک بڑی تعداد ہو گئی۔ بعد میں علماء اہل سنت کی کوششوں سے اسکی جماعت کو حکومت پاکستان نے کافر قرار دیا۔

مدعیان نبوت اور دجالوں کا خروج اسی طرح ہوتا رہے گا یہانتک کہ سب سے بڑے کذاب، دجال اکبر کا ظہور ہو جائے۔ سمرہ بن جندبؓ روایت کرتے ہیں سورج گرہن کے موقعہ پر آپ ﷺ نے جو خطبہ دیا تھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے، خدا کی قسم قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ تیس کذابوں کا ظہور نہ ہو جائے۔ آخری کذاب کانا دجال ہوگا۔ (مسند الامام احمد ۵/۱۶)

۸: امن وامان کی فراہمی: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا! قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ عراق اور مکہ کے درمیان سفر کرنے والے کو راستے سے بھٹک جانے کے علاوہ کسی اور چیز کا خوف واندیشہ نہ ہوگا۔ یہ پیشین گوئی عہد صحابہ میں واقع ہو چکی ہے چنانچہ جب اسلام کا عدل وانصاف مفتوح اقوام اور انکے علاقوں میں عام ہو گیا تو اسوقت امن وامان کی یہی صورتحال تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے عدی بن حاتمؓ سے پوچھا کہ اے عدی کیا تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے۔۔ آپ نے جواب دیا نہیں لیکن اسکی خبر ہے۔ اسپر آپؐ نے جواب دیا اگر تمہاری عمر دراز ہوگی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت تن تنہا حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس سفر میں اسے اللہ کے علاوہ کسی اور کا خوف نہ ہوگا۔

یہ امن وامان پھر آخری زمانے میں مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی ہوگا جب دنیا ظلم وجور کے بجائے عدل وانصاف سے معمور ہوگی۔

۹: حجاز سے آگ کا ظہور: ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے بیان فرمایا: قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ سرزمین حجاز سے وہ آگ نہ ظاہر ہو جائے جسکی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دکھائی پڑیں گی۔ (صحیح بخاری، کتاب الفتن، ۱۳/۷۸)

یہ آگ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ۶۵۴ ہجری میں نکل چکی ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں: "ہمارے زمانے میں مدینہ منورہ کے مشرقی حصے میں حرہ کے پیچھے سے ایک بھیانک آگ ۶۵۴ھ میں نکلی تھی جس کا علم شام اور جملہ اسلامی علاقوں کے باشندوں کو ہے۔ اور خود مجھ سے مدینہ کے ان لوگوں نے اسے بیان کیا ہے جو وہاں حاضر تھے"۔

(شرح النووی ۱۸/ ۲۸)

ابن کثیر لکھتے ہیں: "بصریٰ کے مضافات میں رہنے والے کتنے ہی بدوؤں نے اپنے اونٹوں کی گردنیں حجاز سے نکلنے والی اس آگ کی روشنی میں دیکھا تھا۔

(النہایۃ فی الفتن والملاحم ۱۰/ ۱۴)

یہ آگ اس آگ کے علاوہ ہے جو آخری زمانے میں نکلے گی اور لوگوں کو ہنکا کر محشر کی جانب لے جائے گی۔ (الاذاعہ ص ۸۵)

۱۰: ترکوں سے جنگ: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ مسلمان ان ترکوں سے جنگ نہ کرلیں جنکے چہرے چوڑے ڈھالوں کے مانند ہیں اور جو اون و بال کے کپڑے پہنتے ہیں اور انہیں کے فرشوں پر چلتے ہیں"۔

(صحیح مسلم ۱۸/ ۳۷)

ترکوں سے جنگ کا آغاز عہد معاویہ میں ہوا پھر عہد عباسی میں دھیرے دھیرے انکے علاقے فتح ہوتے رہے اور چونکہ یہ کافی بہادر اور جری ہوتے ہیں لہذا فوجوں میں انکی کثرت ہوتی گئی یہانتک کہ معتصم کی فوجیں زیادہ تر انہیں پر مشتمل تھیں، پھر معتصم کے بعد اقتدار پر ان کا غلبہ ہوگیا انھوں نے متوکل اور اسکی اولاد کو یکے بعد دیگرے قتل کیا اور خلفاء کا عزل و نصب بالکلیہ انکے ہاتھوں میں آگیا اور پوری مملکت میں ان کا حکم جاری ہوگیا پہلے دیلم آئے پھر سامانی اور پھر آل سبکتگین اور پھر آل سلجوق کا غلبہ ہوا۔ پانچویں صدی ہجری میں غز کا ظہور ہا پھر تاتاریوں کا جنھوں نے خراسان اور عراق کے تمام شہر اجاڑ دیے۔ اور پھر بغداد کی تباہی سامنے آئی ۶۵۶ھ میں معتصم باللہ کو قتل کیا گیا اور بغداد کی ۱۶ لاکھ آبادی کو تہ تیغ کردیا گیا۔ بعد کے

ادوار میں بھی ترک فساد پھیلاتے رہے یہانتک کہ ان کا آخری بادشاہ تیمور لنگ آیا جس نے شام کے علاقوں میں فتنہ و فساد پھیلایا، دمشق کو فتح کرنے کے بعد اسے جلادیا، روم و ہند تک اسکی فوجیں داخل ہوگئیں اس کا اقتدار کافی طویل عرصہ تک قائم رہا اور اسطرح آپؐ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی کہ میری امت یعنی عربوں سے سب سے پہلے اقتدار "بنو قنطوراء" چھینیں گے۔

البتہ ترکوں کی ایک بڑی تعداد نے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ انکے ذریعہ اسلام کو کافی تقویت ملی یوروپ میں ایک بڑا علاقہ فتح ہوا ان فتوحات میں سب سے عظیم فتح، فتح قسطنطنیہ ہے۔ انکی کوششوں سے یوروپ، اور مشرق و مغرب کے متعدد ممالک میں اسلام پھیل گیا اور ایک طویل عرصہ تک انھوں نے عالم اسلام پر مغربی یلغار کا دفاع کیا۔

۱۱: عجمیوں سے جنگ: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ تم لوگ خوز و کرمان کے ان عجمیوں سے جنگ نہ کرلو جنکے چہرے سرخ اور ناکیں اور کان چھوٹے ہوں گے۔ انکے چہرے طبق والی ڈھالوں کے مانند اور جوتے بالوں کے ہونگے۔ (صحیح بخاری ۶/ ۶۰۳)

طبرانی میں ہے کہ "قریب ہے کہ تمہارے درمیان عجمی شیر ہو جائیں جو تمہارے فوجیوں کو قتل کریں گے اور تمہارے مال غنیمت کو کھائیں گے۔

(مجمع الزوائد ۷/ ۳۱۱)

۱۲: امانت کا ضیاع: ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ تو ابو ہریرہؓ نے پوچھا امانت کا ضیاع کیسے ہوگا۔ آپؐ نے جواب دیا جب ذمہ داری نااہل کو دی جانے لگے گی تو قیامت کے آنے کا انتظار کرو"۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق، ۱۱/ ۳۳۳)

۱۳: جہل کا ظہور اور علم کا اٹھالیا جانا: انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "علم کا اٹھالیا جانا جہل کا پھیلاؤ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے"۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم ۱/ ۱۷۸)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے "زمانہ سمٹ جائے گا علم اٹھالیا جائے گا فتنے غالب ہوں گے دلوں میں بخل ڈال دیا جائے گا اور کثرت سے قتل و خوں ریزی ہوگی"۔ (صحیح مسلم، ۱۶/ ۲۲۲)

علم کا اٹھالیا جانا علماء کی وفات کے ذریعہ ہوگا۔ عمرو بن العاص ؓ کی حدیث میں ہے۔ "اللہ تعالیٰ علم کو یکبارگی بندوں کے سینوں سے محو نہیں کرے گا بلکہ علم علماء کے دھیرے دھیرے اٹھالئے جانے سے ختم ہوگا یہانتک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جن سے فتویٰ پوچھا جائے گا تو وہ بلا علم کے فتویٰ دیں گے چنانچہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔ (صحیح بخاری، ۱/ ۱۹۴)

علم سے مراد شرعی علوم کا علم ہے کیونکہ انبیاء کرام کا علم ہی علماء کی میراث ہے۔ اور انکے چلے جانے سے وہ علم ختم ہو جائے گا۔ سنتیں غیر معروف ہو جائیں گی بدعتوں کا ظہور ہوگا اور جہل عام ہو جائے گا۔ اور بالکل آخری ایام میں ایک ہی رات میں پورا قرآن لوگوں کے سینوں سے (اور مصاحف) سے اٹھا لیا جائے گا۔ نہ تو کسی کے سینے میں کوئی آیت محفوظ رہے گی اور نہ ہی مصحف میں کوئی کلمہ باقی رہ جائے گا۔

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہوگی کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لینے والا باقی نہ رہ جائے گا۔ حضرت انس ؓ کی رویت میں ہے: "قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ زمین میں اللہ اللہ کہا جانا بند نہ ہو جائے"۔ صحیح مسلم، ۲/ ۱۷۸)

۱۴: زنا کا عام ہونا: قیامت کی وہ چھوٹی نشانیاں جو ظاہر ہو چکی ہیں ان میں سے ایک اہم نشانی زنا کاری کا عام ہونا ہے۔

انس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیوں کا تذکرہ فرمایا گیا اور فرمایا ان میں سے ایک زنا کا عام ہو جانا بھی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، ۱/ ۱۷۸)

یہی نہیں بلکہ آخری زمانے میں لوگ زنا کو حلال سمجھنے لگیں گے۔ اور اس سلسلے میں غیرت و حمیت باقی نہ رہ جائے گی۔ ابو مالک الاشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے ضرور پیدا ہونگے جو ریشم اور زنا کو حلال بنالیں گے"۔ صحیح بخاری، ۱۰/ ۵۱) حدیث نواس میں ہے "آخری زمانے میں شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو کھلے عام لوگوں کے سامنے اسطرح زنا کریں گے جسطرح گدھے کرتے ہیں انھیں پر قیامت آئے گی"۔ (صحیح مسلم، ۱۸/ ۷۰) مجمع الزوائد میں ہے "یہ امت اسوقت تک فنا نہ ہوگی جبتک کہ آدمی راستے میں عورت سے جماع نہ کرنے لگے۔ چنانچہ ان ایام میں سب سے بہترہ لوگ وہ ہونگے جو یہ کہیں گے اے کاش تم نے اس دیوار کے پیچھے چھپ کر یہ حرکت کی ہوتی"۔ (۷/ ۳۳۱)

۱۵: سود کا عام ہو جانا: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی سودی کاروبار اور لین دین کا عام ہونا اور لوگوں کا حلال و حرام کی تمیز کھو بیٹھنا ہے۔ ابو مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ "قیامت سے پہلے سود عام ہو جائے گی"۔ (الترغیب والترہیب ۳/ ۹)

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اسکی پرواہ نہ ہوگی آیا اس نے حلال طریقہ سے کمایا ہے یا حرام طریقے سے" (۴/ ۳۱۳)۔ (سنن النسائی ۷/ ۲۴۳)

آج مسلمانوں کی اکثریت پر یہ حدیث منطبق ہو رہی ہے۔ چنانچہ زیادہ تر لوگ حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر اموال سمیٹنے میں مصروف ہیں۔ اور معاملات میں سودی لین دین عام ہو گیا ہے۔

۱۶: ناچ و گانے کو حلال سمجھ لینا: سہل بن سعد ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "آخری زمانے میں بڑے بڑے علاقے دھنس جائیں گے اور لوگوں کی صورتیں اور شکلیں مسخ کر دی جائیں گی۔ صحابہ ؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کب ہوگا۔ انھوں نے فرمایا! "جب ناچ گانے کے آلات اور گانے والیاں عام ہو جائیں گی"۔ (سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۳۵۰) اسکی سند کو امام البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر ۳/ ۲۱۶ حدیث رقم: ۳۵۵۹)

صحیح بخاری میں ہے: "میری امت میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہونگے جو ریشم، زنا، شراب اور ناچ گانے کے آلات کو حلال سمجھ لیں گے۔ اور علم اٹھالیا جائے گا اور بعض لوگوں کو قیامت کے وقوع تک بندر اور سور کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری ۱۰/ ۵۱)

ابن حزم کا خیال ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے بخاری اور صدقہ بن خالد کے درمیان اتصال موجود نہیں ہے۔ (المحلی ۹/ ۵۹)

ابن حزم کی یہ رائے درست نہیں ہے۔ کیونکہ امام بخاری کی ھشام بن عمار سے ملاقات اور سماع دونوں ثابت ہیں۔ لہذا اگر وہ ان سے عنعنہ کے ذریعہ بھی حدیث کی روایت کریں تو اسے اتصال پر محمول کیا جائے گا۔ نیز دیگر ثقہ و معتبر راویوں نے بھی اس حدیث کو ھشام کے واسطے سے موصولاً بیان کیا ہے۔ اسماعیلی نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو یوں بیان کیا ہے "اخبرنی الحسن حدثنا هشام بن عمار"۔

۱۷: **شراب کی کثرت:** قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی مسلم معاشرے میں شراب کا عام ہونا بھی ہے۔ مسند الامام احمد میں ہے "میری امت کا ایک گروہ شراب کو حلال بنا لے گا اور اس کو دوسرے نام سے استعمال کرے گا"۔

اس زمانے میں شراب عام ہو چکی ہے اور اس فتنے میں کتنے ہی لوگ مبتلا ہیں اور بعض اسلامی ممالک میں تو اسکی خرید و فروخت علانیہ ہوتی ہے۔ اور شراب کے ساتھ ساتھ دیگر نشہ آور مشروبات کا استعمال بھی حد سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔

۱۸: **مساجد کی تزئین اور اس پر فخر کرنا:** مساجد کی حد سے زیادہ تزئین اور انہیں آراستہ کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں فخر نہ کرنے لگیں"۔ (۳/ ۱۳۴)

ابن عباس کہتے ہیں: تم لوگ مسجدوں کو اسی طرح نقش و نگار سے مزین کروگے جس طرح یہود و نصاری نے اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا تھا۔ (صحیح بخاری ۱/ ۵۳۹)

حضرت عمر فاروقؓ نے مساجد کو مزین کرنے اور ان پر نقش و نگار بنانے سے منع فرمایا تھا لیکن خلفاء اور بادشاہوں نے اسے فخر و مباہات کا ذریعہ بنایا۔ عظیم اور بلند و بالا مسجدیں تعمیر کی گئیں اور اس پر انتہائی عمدہ اور نفیس بیل بوٹے بنائے گئے۔ درانحالیکہ یہ چیز ممنوع اور حرام تھی۔ ابو الدرداءؓ کی روایت ہے کہ جب تم مسجدوں پر نقش و نگار بناؤ گے اور مصاحف کو آراستہ کروگے تو تم پر تباہی آئے گی"۔ (صحیح الجامع الصغیر ۱/ ۲۲۰ حدیث رقم ۵۹۹)

مساجد و مصاحف کی تزئین اور ان پر بیل بوٹے اور نقش و نگار اس لئے ممنوع ہے کیونکہ اس سے خشوع و خضوع متاثر ہوتا ہے۔ اور اسی لئے شوافع کے نزدیک مساجد پر سونے اور چاندی کے ذریعہ بیل بوٹے بنانا حرام اور دوسری چیزوں کے ذریعہ بنانا مکروہ ہے۔ (فیض القدیر ۱/ ۳۶۷)

۱۹: **فلک شگاف عمارتیں:** یہ ان نشانیوں میں سے ہے جو عہد نبوی کے بعد ہی ظاہر ہوگئیں تھیں اور پھر اس کا استقدر پھیلاؤ ہوا کہ لوگ فلک شگاف عمارتوں کو بنانا باعث فخر و شرف سمجھنے لگے۔ مسلم شریف میں ہے! "قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جب تک تم ننگے پیر و ننگے سر رہنے والے بکریوں کے چرواہوں کو عمارتوں کی بلندی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے نہ دیکھ لو"۔ (۱/ ۱۵۸)

عمارتوں کی بلندی سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص اپنی حویلی دوسرے کی حویلی سے بلند بنائے گا نیز اسمیں عمارتوں کی تزئین و آراستگی میں فخر و مباہات بھی داخل ہے۔ (فتح الباری ۱۳/ ۸۸)

۲۰: **عورت کا اپنی مالکن یا اپنے مالک کو جننا:** حدیث جبرئیل میں، قیامت کی ایک نشانی عورت کا اپنی مالکن جننا بھی بتایا گیا ہے۔ مسلم میں ہے "قیامت اسوقت واقع ہوگی جب عورت اپنے مالک کو جنے گی"۔ (۱/ ۱۶۳)

مالک جننے سے مراد اولاد کا سرکش و نافرمان ہونا ہے۔ یعنی آخری زمانے میں اولاد استقدر نافرمان ہو جائے گی کہ لڑکا اپنی والدہ کے ساتھ وہ اہانت آمیز سلوک کرے گا جو مالک اپنی باندی کے ساتھ کرتا ہے۔

قربانی اور اسکے احکام

ابو عارض فلاحی

قربانی کی اہمیت اور فضیلت :

قربانی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور محمد عربی ﷺ کی سنت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تقرب الٰہی کے لئے سابقہ امتوں کی طرح امت محمدیہ کے حق میں بھی مشروع قرار دیا ہے۔ متعدد حدیثوں میں قربانی کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اخلاص کے ساتھ پیش کی گئی قربانی کے ہر ہر بال اور ہر ہر اون کے عوض ایک نیکی ملتی ہے۔ حدیث میں ہے "ما عمل ابن آدم یوم النحر عملا أحب إلى الله من إراقة دم و انه لتأتى يوم القيامه بأظلافها و قرونها و اشعارها و ان الدم ليقع من الله بمكان قبل ان يقع على الارض فطيبوا بها نفسا"۔ ایام قربانی میں انسان کا کوئی عمل بارگاہ ایزدی میں اتنا محبوب و پسندیدہ نہیں جتنا جانوروں کا خدا کی بارگاہ میں قربان کرنا۔ اور یقیناً قربان کیا ہوا جانور قیامت کے روز اپنی کھروں، سینگوں اور بالوں سمیت آئے گا۔ زمین پر خون کے گرنے سے پہلے وہ خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے لہٰذا اے لوگو اس بشارت کے ذریعہ اپنے جی کو خوش کر لو۔

قربانی کی غرض و غایت : قرآن مجید نے قربانی کی غرض و غایت پر سورۃ الحج میں یوں روشنی ڈالی ہے۔ " والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صواف "۔ آیت ۳۶)۔ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔

یعنی تم ان سے بکثرت فائدہ اٹھاتے ہو یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ تمہیں قربانی کیوں کرنی چاہئے۔ آدمی خدا کی بخشی ہوئی جن جن چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے ان میں سے ہر ایک کی قربانی اسکو اللہ کے نام پر کرنی چاہئے۔ نہ صرف شکر نعمت کے لئے بلکہ اللہ کی برتری اور مالکیت تسلیم کرنے کے لئے بھی۔ ایمان اور اسلام نفس کی قربانی ہے نماز اور روزہ جسم اور اسکی طاقتوں کی قربانی ہے۔ زکوٰۃ مال کی قربانی ہے۔ جہاد وقت اور ذہنی، جسمانی صلاحیتوں کی

قربانی ہے۔ قتال فی سبیل اللہ جان کی قربانی ہے۔ یہ سب ایک طرح کی نعمت اور ایک ایک عطیے کی شکر یے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کی قربانی بھی ہم پر عائد کی گئی ہے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمت پر اس کا شکر ادا کریں اور اسکی بڑائی مانیں۔ کہ اس نے اپنے پیدا کئے ہوئے بکثرت جانوروں کو ہمارے لئے مسخر فرمایا جن سے ہم بے حساب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

قربانی کا مقصد : قربانی کا اصل فلسفہ سورۃ الحج کی اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ لن ينال الله لحومها و لا دمائها ولكن يناله التقوىٰ منكم"۔ (۳۷) اللہ کو نہیں پہونچتا ان کا گوشت اور نہ ان کا لہو لیکن اسکو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب۔ یعنی قربانی کا گوشت اور خون اٹھ کر خدا کی بارگاہ تک نہیں پہنچتا ہے اسکے یہاں تو ہمارے دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوشدلی اور جوش محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز آپ اسکی اجازت سے اسکی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ اور اس عزم کا اظہار کر رہے ہیں کہ اے خدا جس طرح آج ہم تیری رضا کے لئے اس جانور کو قربان کر رہے ہیں ٹھیک اسی طرح جب ضرورت ہوگی تو ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔

سابقہ ادیان اور دین اسلام میں قربانی کے احکام میں فرق و امتیاز :

ہر مذہب و شریعت میں قربانی مشروع رہی ہے البتہ ادیان سابقہ میں ان کے پیروکاروں کے غلو کی وجہ سے قربانی کی رسم جن قیود و رسوم سے جکڑ گئی تھی وہ زنجیریں دین اسلام میں باقی نہ رہیں۔

۱: پچھلی شریعتوں میں قربانی کے لئے ایک مخصوص مقام متعین تھا۔ اسکے علاوہ کسی اور مقام پر قربانی پیش نہیں کی جا سکتی تھی جیسے یہودی شریعت میں صرف ہیکل سلیمانی کے پاس بنے ہوئے مذبح میں ہی قربانی کی جا سکتی تھی جبکہ اسلام میں اگرچہ قربانی کا اصل مقام مروہ ہے "ثم محلها الى البيت العتيق" پھر ان قربانی کے جانوروں کو پہنچنا قدیم گھر یعنی بیت اللہ تک ہے لیکن بعد میں پورے منیٰ اور پھر زمین کے ہر خطے پر قربانی کو مشروع و جائز قرار دے دیا گیا حدیث صحیح میں وارد ہے رسول ﷺ نے مروہ کے پاس قربانی کے جانور کو کھڑے دیکھا تو مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا! "هذا منحر و كل فجاج مكه منحر و طرقها منحا" یعنی

اصل قربان گاہ مروہ ہے اور مکہ کے تمام راستے قربانی کی جگہ ہیں۔ اور ایک مرتبہ منیٰ کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا! "ہو منحر" یعنی یہ قربانی کی ایک جگہ ہے۔ پھر جب امت کا دائرہ وسیع ہوا تو قربان گاہ کے دائرہ میں بھی وسعت دے دی گئی۔

۲: سابقہ مذاہب میں بارگاہ ایزدی میں عام آدمی بذات خود قربانی پیش نہیں کر سکتا تھا بلکہ یہ رسم مخصوص عالم یا پروہت کے ذریعہ ہی انجام دی جا سکتی تھی چنانچہ یہودی شریعت میں قربانی کی یہ رسم "بنو لاوی" کا کوئی "ربی" ہی انجام دے سکتا تھا اور ہندو مت میں صرف مخصوص پروہت اسے انجام دیتے تھے۔ جبکہ اسلام نے ان بندشوں کو ختم کرتے ہوئے ہر خاص و عام، عالم و جاہل، مرد و عورت، بالغ و نابالغ کو اس کا حق دیا کہ وہ اپنا جانور بذات خود خدا کی بارگاہ میں قربان کرے۔ حضرت مسیب بن رافع بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اپنی لڑکیوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔ (مستدرک بحوالہ فتح الباری)

۳: قدیم مذاہب میں قربانی میدان میں پیش کی جاتی تھی جس کی قربانی کو آسمانی آگ آکر کھا جاتی وہ اس کے مقبول ہونے کی علامت ہوتی۔ اور جس کی نہ کھاتی وہ غیر مقبول۔ جس سے قربانی کرنے والوں کے دلوں میں حسد و نفرت کے جذبات پیدا ہونے کا امکان تھا۔ چنانچہ دنیا میں پہلا قتل ہابیل کا اسی قربانی کے مقبول نہ ہونے کے نتیجے میں پیش آیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس حکم کو اٹھا لیا اور اب مقبول ہونے کا علم ایک سربستہ راز بن گیا۔ جس سے ان خطرات کا سد باب ہو گیا جو مقبولیت یا عدم مقبولیت کے عام ہونے کی صورت میں پیدا ہو سکتے تھے۔

۴: سابقہ مذاہب میں قربانی کئے ہوئے جانور کے کسی عضو سے انتفاع جائز و درست نہ تھا لیکن اس امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ رحم کا معاملہ فرمایا کہ اخلاص کے ساتھ پیش کی گئی قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض میں ایک نیکی بھی عطا فرمائی اور اسکے گوشت سے استفادے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ قرآن کریم ہے!

"فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا واطعموا القانع المعتر"۔ پس جب

قربان کئے گئے یہ اونٹ اپنے پہلوؤں کے بل گر جائیں تو خود بھی کھاؤ اور فقیر و نادار کو بھی کھلاؤ۔

قربانی کن جانوروں کی کی جا سکتی ہے: قربانی صرف مویشیوں کی کی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "ولیذکروا اسم اللہ علیٰ ما رزقہم من بہیمۃ الانعام" اور وہ اللہ کا نام لیں ان مویشیوں پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں اور ان مویشیوں کی تفصیل سورۃ الانعام میں یوں بیان کر دی گئی ہے۔ "ثمانیہ ازواج من الضان اثنین و من المعز اثنین" (الانعام / ۱۴۳)۔

یعنی حلال جانور نر و مادہ ملا کر یہ آٹھ قسمیں ہیں دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے دو اونٹ کی قسم سے اور دو گائے کی قسم سے۔

ان چار جانوروں کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی جائز نہیں۔ خواہ وہ پالتو ہو یا جنگلی سوائے بھینس کے جس کی قربانی میں اختلاف ہے۔ علماء شیعہ اس کی قربانی کو ناجائز اور بعض علماء اسے مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ نص سے اسکی قربانی ثابت نہیں۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ اسے گائے پر قیاس کرتے ہیں۔ اسکی تائید ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حسنؓ فرمایا کہ بھینس بیل کے قائم مقام ہے۔ البتہ اس حدیث کے راوی مجہول ہیں۔

قربانی کے جانور کی شرطیں:

قربان کئے جانے والے جانور میں درج ذیل دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱: جانور چار قسم کے عیوب سے پاک اور صحیح و سالم ہو۔ ارشاد رسول ﷺ ہے! "أربع لا تجوز فی الضحایا، العوراء البین عورہا والمریضہ البین مرضہا والعرجاء البین عرجہا والعجفاء التی لا تنقی" (رواہ احمد)

چار طرح جانوروں کی قربانی جائز نہیں اندھے، اور ایسے مریض جانور کی جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو، اور لنگڑے اور اس بڈیل و نحیف جانور کی جس کے جسم میں گودا نہ ہو۔

۲: عمر: اونٹ کا پانچ سال کا ہونا، گائے کا دو سال اور بکری اور دنبے کا ایک سال کا ہونا شرط ہے۔ بعض علماء نے چھ ماہ کے دنبے کی قربانی کی بھی اجازت دی ہے۔ عمر کی یہ شرط صحیح مسلم کی اس روایت سے

ثابت ہے "لا تذبحوا الا مسنۃ" صرف انہیں جانوروں کو قربان کرو جو دانتے ہوں۔

قربانی کے ایام :

قربانی کے ایام حنفیہ کے نزدیک ۱۰/ ۱۱/ ۱۲ ذی الحجہ میں جب کہ امام شافعیؒ، امام احمد اور اہل حدیث علماء کے نزدیک قربانی کے ایام چار دن ہیں۔ مسند احمد میں ہے "کل ایام التشریق ذبح" تشریق کے تمام دن ذبح و قربانی کے دن ہیں البتہ حنفیہ اس حدیث کو ضعیف مانتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند منقطع ہے۔ عمرو بن سلمہ نے ذی الحجہ کے پورے ماہ میں قربانی کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ رائے بلا دلیل ہے۔ اس لئے کسی دوسرے عالم کی تائید اس رائے کو حاصل نہ ہو سکی۔

کھالوں کے مصارف :

قربانی کے چمڑوں کی رقمیں زکوۃ کے تمام مصارف کے علاوہ دینی مدارس و مکاتب میں لگانا جائز ہے۔ خواہ یہ مدارس اقامتی ہوں یا غیر اقامتی۔ قربانی کے چمڑوں کو فروخت کر کے اس سے حاصل رقم کو اپنی ذات پر خرچ کرنا تو ممنوع ہے لیکن فی نفسہ اس چمڑے یا اس سے بنے ہوئے ڈول و مشکیزہ کو استعمال کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے جب قربانی کرنے والا بذات خود اس چمڑے کا استعمال کر سکتا ہے تو پھر انہیں ان مکاتب و مدارس پر کیوں نہیں دیا جا سکتا جو اسلام کے مضبوط قلعے اور اسکی آخری پناہ گاہ ہیں۔

میت کی جانب سے قربانی :

میت کی جانب سے قربانی جائز ہے۔ آپ ﷺ جب قربانی کا ارادہ کرتے تھے تو دو بڑے موٹے سینگ دار چتکبرے خصی مینڈھے خریدتے۔ ایک اپنی طرف سے قربانی کرتے اور دوسرا امت محمدیہ کی طرف سے "مصنف عبدالرزاق"۔ قربانی مدینہ میں شروع ہوئی ہے اور اس سے پہلے کتنے لوگ وفات پا چکے تھے تو ظاہر ہے آپ کی امت میں وہ لوگ بھی داخل ہوں گے جو قربانی سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ جیسے خدیجہ بنت خویلدؓ اور سمیہؓ وغیرہ۔ نیز حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے دو مینڈھوں سے قربانی کی اور بتایا کہ رسول پاک ﷺ نے مجھے اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت کی تھی لہذا میں اسے انجام دیتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

ایک جانور میں کتنے افراد شریک ہو سکتے ہیں :

بکری اور دنبہ صرف ایک ہی نام سے جائز ہے جب کہ اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ مسلم شریف میں ہے حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ مقام حدیبیہ پر اونٹ اور گائے کی قربانی سات افراد کی طرف سے کی۔

ایک بکرے یا دنبہ کی قربانی گائے کے $\frac{1}{7}$ سے افضل ہے اور پوری گائے یا اونٹ کی قربانی ایک شخص کی جانب سے ایک دنبہ یا ایک بکرے کی قربانی سے افضل ہے۔

حاملہ اور بدھیا جانور کی قربانی :

حاملہ جانور کی قربانی جائز ہے اور خصی جانور کی قربانی افضل ہے جانور کا بدھیا ہونا عیب نہیں کیونکہ اس سے جانور مزید فربہ اور اس کا گوشت کافی لذیذ ہوتا ہے۔ البتہ شیعوں کے نزدیک یہ ایک عیب ہے لہذا انکے یہاں خصی جانور کی قربانی درست نہیں۔ لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ خود آپ ﷺ نے خصی بکروں کی قربانی پیش کی ہے۔

میت کی جانب سے پہلے سال قربانی :

عرب و عجم میں ایک بدعت یہ رائج ہے کہ میت کے انتقال کے پہلے سال لوگ اسکے نام سے قربانی پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اسے عرف عام میں ضحیۃ الحفرہ کہا جاتا ہے لیکن شریعت میں اسکی کوئی اصل و بنیاد نہیں پائی جاتی۔

قربانی کا گوشت :

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے۔ اک حصہ خود کھائے اور دوستوں کو کھلائے۔ اور ایک حصہ فقراء و مساکین کے درمیان تقسیم کر دے اور تیسرا حصہ اپنے لئے ذخیرہ کر لے۔ آپ ﷺ اہل خانہ کو قربانی کے گوشت کا ایک تہائی کھلاتے اور ایک تہائی اپنے پڑوسی، فقیروں، ضرورت مندوں کو دیتے اور ایک تہائی سوالی لوگوں پر صدقہ کر دیتے۔

ظلمت میں نور

ترک خاتون کی داستانِ عزیمت

مریم کوابکچی ترکی کی اسلام پسند خاتون اور نو منتخبہ رکن پارلیمنٹ ہیں، اپنے انتخاب کے بعد پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس میں شرکت کے لئے جب وہ شرعی پردہ کے ساتھ پہنچیں تو اس پر ایک ہنگامہ ہو گیا اور پردہ نہ اتارنے پر آپکی رکنیت اور شہریت دونوں معطل کر دی گئی۔ لندن کے ایک اخبار نے مریم کوابکچی کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے۔ قارئین کے استفادہ کے لئے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مترجم میر رضوان اللہ دار العلوم حیدرآباد۔

سوال: پہلی مرتبہ جب آپ اسلامی پردہ کے ساتھ ترکی پارلیمنٹ میں داخل ہو رہی تھیں تو اس وقت آپ کے دل میں کیا خیالات و احساسات تھے؟

جواب: یہ ترکی کی طویل جمہوری تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ دو پردہ نشین عورتیں ترکی پارلیمنٹ کی رکن منتخب کی گئیں، جن میں سے ایک سیدہ نسرین اونال تھیں، مگر ان کو بے پردہ ہونے پر مجبور کر دیا گیا، انھوں نے سخت مصائب کا سامنا کیا، وہ سخت مراحل سے دوچار ہو گیں صرف اس وجہ سے کہ وہ سب سے پہلی خاتون تھیں جنھوں نے اسلامی حجاب کو اختیار کرنے کی جرأت کی۔ ویسے میں ترکی کی ستر فیصد پردہ کرنے والی خواتین کی نمائندگی کرتی ہوں، لیکن ملک کا ایک محدود طبقہ جو ایک طویل زمانہ سے ملک پر حکمرانی کر رہا ہے اور جس کے افراد کوئی تعلیم یافتہ سیکولر افراد نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ایسی وسعت نظری کے حامل ہیں جو ان کو اپنے جیسا لباس نہ پہننے والوں اور اپنے نظریہ کے مطابق نہ سوچنے والوں کے ادب و احترام پر آمادہ کرے، مجھے ان کی مخالفت کا اندیشہ تھا، مگر مجھے یقین تھا کہ ملک میں حکمراں جماعت اپنی ثقافتی اور تہذیب دشمنی میں اس حد تک نہیں پہونچے گی۔

سوال: کیا آپ نے عورت ہونے کے ناطے سیکولر افراد کی طرف سے امتیازانہ سلوک کو محسوس کیا ہے؟

جواب: نہ صرف یہ کہ میرے ساتھ دین کی بنیاد پر امتیازانہ سلوک برتا گیا بلکہ عورت ہونے کی حیثیت سے بھی میرے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا گیا، لیکن انتہائی افسوس ہے کہ ترکی کی جمہوریت اور سیکولرزم کی دعویدار یہ عورتیں اپنی ہی جنس کی ایک فرد کی مخالفت کر رہی ہیں اور اس کی توہین کر رہی ہیں۔ ترکی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ وہی ہے جو تحریک شہری حقوق کے دوران رونما ہو رہا تھا۔ ترکی کی وہ خواتین جو زندگی کے عملی میدان میں اسلامی حجاب کے مطابق پردہ پوشی کو خواہش مند ہیں وہ ترکی کے سیاہ فام خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

سوال: آپ کے خیال میں سیکولر افراد کی قرار دادیں کن چیزوں سے متاثر ہوں گی؟

جواب: چند اسباب و محرکات سے، مثلاً وہ خیالی سیکولر طریقہ کار جس کو کمال اتاترک نے اپنی حکومت کے دوران اپنایا تھا، مگر چند دنوں بعد ہی بدل گیا اور اس کے دوسرے معنی مراد لئے جانے لگے۔ مذہبی و بنیادی حقوق اس کا نشانہ بن گئے، ترکی میں مذہب کو حکومت کے اندر مداخلت کا کوئی حق نہیں، لیکن حکومت حیات انسانی کے تمام گوشوں سے متعلق دینی احکامات میں دخل اندازی کی مجاز ہے اور حکومت ہی بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے طریقہ کار تعین کرتی ہے۔

گزشتہ سال ترکی پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا ہے، جس کی رو سے بارہ تا پندرہ برس کے لڑکوں کو گھر کے اندر اور باہر قرآن کی تعلیم دینا ممنوع ہے، آپ اپنے لڑکوں کو صرف گرمائی کی تعطیلات ہی میں قرآن پڑھا سکتے ہیں۔ اس جابرانہ قانون سازی کا مقصد حفظ قرآن کے مدرسوں کو ختم کرنا اور بچوں کو ابتدائی عمر میں قرآن کا علم حاصل کرنے سے روکنا ہے۔ یہ قانون پوری سختی اور قوت کے ساتھ نافذ کیا جا رہا ہے اور یہ سب کچھ ذاتی پسند اور زندگی مغربی طور طریقوں میں ڈھالنے کے نام پر ہو رہا ہے، نیز بعض لوگ اسلام سے اس وجہ سے بھی خوف کھاتے ہیں کہ کہیں ان کا انجام ایران اور مملکت عربیہ سعودیہ کے باشندوں کے مثل نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ دو انتہاء پسند گروہوں میں بٹا ہوا ہے اور یہ دونوں گروہ کسی بھی کھلے مقام پر آمنے سامنے اکٹھا نہیں ہوتے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ترکی

میں ایسا کمزور و فرسودہ نظام نافذ ہے جس کو ڈیپ اسٹیٹ (Deep State) کہا جا سکتا ہے۔ اس ڈیپ اسٹیٹ سے منسوب افراد کو کام میں نہیں لے سکتی۔

یہ گروہ کمانڈروں اور سرکاری عہدیداروں، ارکان پارلیمنٹ، گورنروں، فوجی سپہ سالاروں اور پانچ بڑے تاجروں پر مشتمل ہے، جو ترکی میں پائی جانے والی تمام خبر رساں ایجنسیوں کا مالک ہے۔ یہی اسلام سے بغاوت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو گھوٹالوں، رشوت ستانی اور نقلی برآمدات کی اسکیموں کو چلانے میں ملوث تھے۔ انہوں نے وطن اور حکومت کے ساتھ غداری کی، پھر عوام کی دولت و جائیداد کو لوٹ لینے کے بعد امریکہ اور سوئزر لینڈ چلے گئے۔ اگر کمانڈروں یا ملازمین میں سے کسی کو اعلیٰ سربراہوں کی نظر میں وفادار اور صاحب اقتدار بننا ہوتا ہے، تو وہ اسلام کے خلاف جنگ کرتا ہے، اس کو بڑا اعلا کہنے لگتا ہے۔ میں بھی ممبر پارلیمنٹ ہونے کی حیثیت سے اس سے دوچار ہوئی۔ اس گروہ نے پوری سختی اور تشدد کے ساتھ مجھ کو اسلامی پردہ اپنانے سے روکا، کیوں کہ اسلامی حجاب نفاست و نظافت، عفت و پاکدامنی کی علامت ہے اور یہی چیز اس طبقہ کو کھٹکتی ہے۔

سوال: امریکہ کے باشندے آپ کے ساتھ کس طرح پیش آئے؟

جواب: دیکھئے میں صرف اپنی ذاتی نمائندگی نہیں کرتی ہوں، بلکہ پچیس سال سے ترکی میں رہنے والی محب اسلام خواتین کی آواز ہوں، جن کے ساتھ صرف اس وجہ سے امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلامی پردہ میں رہنا پسند کرتی ہیں اور ان پر سخت دباؤ ڈالا جا رہا ہے، وہ دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں، یا دین کو اپنائیں یا ملازمت کو، ان کی کسی بات کی سنوائی نہیں ہو رہی ہے، ایک ممبر پارلیمنٹ ہونے کی حیثیت سے میں اپنی پرواز کی آخر حد تک ان کی آواز کو پہنچانا چاہتی ہوں۔

سوال: آپ کی نظر میں سیکولر افراد اور اسلام پسندوں کے درمیان کسی مفاہمت و مصالحت پر اتفاق ہو سکتا ہے؟

جواب: اس سوال پر میں آپ کی ممنون و مشکور ہوں، ہم شیدائیان اسلام بات چیت کی میز پر آنے کے لئے بالکل تیار ہیں اگر مسائل کی یکسوئی اور انتشار و اختلافات کو ختم کرنے کے لئے معقول رائے پیش کرنے کی آزادی دی جائے۔

سوال: کیا آپ کی نظر میں وہ لوگ اس طرح کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں؟

جواب: برائے مہربانی یہ سوال انہیں سے کیجئے، کیونکہ ہم مظلوم ہیں اور کئی برسوں سے ان کی جانب سے توہین و تذلیل اور تحقیر و نظر اندازی کا سامنا کر رہے ہیں اور یہ ان کے برتاؤ کا ایک حصہ ہے، حکومت ان کے ہاتھ میں ہے، کیا وہ لوگ مسائل کی یکسوئی کی خاطر ترکی میں امن و امان کی فضا بنانے کے لئے باہمی بات چیت اور مصالحت، مفاہمت کے میز پر آنا گوارا کریں گے، ہم خاندان عثمانیہ کے جانشینوں نے ایک طویل مدت تک امن و سلامتی کی زندگی گذاری تھی۔

سوال: جو کچھ آپ کر رہی ہیں اس پر آپ کو کس چیز نے آمادہ کیا اور کس چیز نے آپ کے اندر اس کام کا جذبہ پیدا کیا؟

جواب: یہ کام حق کے لئے کیا جا رہا ہے، میں نے اس طرح نہ کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے نہ ہی میں اپنے افکار و نظریات کو دوسروں پر لاگو کر رہی ہیں، نہ ہی لوگوں کو جبراً پردہ کرنے کے لئے مجبور کر رہی ہوں اور نہ ہی اپنی فکر کو اپنانے کے لئے ان پر دباؤ ڈال رہی ہوں اور نہ ہی میں کسی بینک اسکینڈل میں ملوث ہوں اور نہ ہی میں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو میرے مذہب کی نظر میں برا ہو یا ترکی کے قانون نے اس کو غلط سمجھا ہو۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کوئی حق کام کو لے کر اٹھا تو وہ سخت مصائب و تکالیف سے دوچار ہوا آزمائشوں اور امتحان سے اسے گذرنا پڑا۔ سارے دشمن اس کے خلاف اکٹھے ہو گئے، میں بھی حق کی خاطر سعی و کوشش کر رہی ہوں، ہماری سچائی اور حقانیت کو ساری دنیا جانتی ہے، ہماری سچائی کی صدا سارے عالم میں گونج رہی ہے۔

(بشکریہ: نئی شناخت نئی دہلی)

مساوات جنس

(Gender Equity)

تقابلی مطالعہ

(قسط نمبر ۱)

تحقیق: اے ایچ نعمانی (انگلش)

ترجمہ: افلاک ظہیر (چیمہ الفلاح)

۳۔ **سماجی پہلو**: (ا) بحیثیت بچی: قرآن مجید نے بڑے کارگر انداز میں زمانہ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی سنگ دلانہ رسم کا خاتمہ کیا: "جب زندہ درگور بچی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا تھا۔ (قرآن ۸۱:۸۔۹)

ب۔ مزید براں قرآن مجید نے بعض والدین کے درمیان لڑکے کے بجائے لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر دلشکنی لینے کی مذمت کی ہے۔ "اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خوش خبری ملے تو سارا دن اس کا منہ سیاہ رہتا ہے اور وہ جی ہی جی میں گھٹتا رہتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، اس بری خبر کی وجہ سے جو اسے دی گئی، اس کو رہنے دے ذلت قبول کرکے یا اسے مٹی میں دبا دے۔ سنو! برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (قرآن ۱۶:۵۸۔۵۹)

ج۔ والدین پر اپنی بچیوں کے ساتھ انصاف، اظہار شفقت اور ان کی پرورش کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "جس کی ایک لڑکی ہو اور اسے وہ زندہ درگور نہ کرے، اسے ذلیل نہ کرے اور بیٹوں سے کمتر نہ سمجھے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت دے گا" جو دو لڑکیوں کی پرورش کرے حتی کہ وہ بالغ ہو جائیں تو میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح ہوں گے (اور انھوں نے دو انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اشارہ کیا)۔ (احمد)

د۔ تعلیم صرف حق ہی نہیں بلکہ تمام عورتوں اور مردوں کی ذمہ داری بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلم کا فرض ہے۔ (مسلم یہاں پر عام مفہوم میں ہے جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔)

(۲) **بحیثیت بیوی** ا۔ اسلام میں شادی کی بنیاد باہمی سکون، محبت، شفقت پر ہے نہ کہ محض آدمی کی خواہشات کی تسکین پر۔ "اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے تاکہ چین سے رہو ان کے پاس اور تمہارے درمیان پیار اور مہربانی کو رکھا۔ (قرآن ۳۰:۲۱)

"وہی بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اس نے تمہارے لئے تمہیں میں سے جوڑے بنائے اور جانوروں میں سے جوڑے بنائے، اس طرح وہ تم کو پھیلاتا ہے، اس جیسا کوئی نہیں، وہی ہے سننے اور جاننے والا"۔ (قرآن ۴۲:۱۱)

ب۔ عورت کو شادی کے متعلق فیصلوں اور تجاویز کی تردید و توثیق کا حق حاصل ہے پیغمبرانہ تعلیمات کے مطابق ازدواجی عقد کے قانونی ہونے کے لئے اس کی اجازت بنیادی شرط ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نکاح لڑکی کی اجازت کے بغیر منعقد ہوا ہے تو اگر لڑکی چاہے تو یہ نکاح کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے، ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک لڑکی خدمت رسالت میں حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ اس کے والد نے اسے بغیر اس کی رضا کے شادی پر مجبور کیا تھا تو رسول خدا ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (شادی برقرار رکھنے یا اسے منسوخ کرنے کے لئے) (احمد حدیث ۲۳۶۹)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ لڑکی نے کہا "دراصل مجھے یہ شادی قبول ہے مگر میری خواہش ہے کہ میں دوسری عورتوں کو بتا دوں کہ والدین کو ان پر کسی شوہر کو مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں ہے" (ابن ماجہ)

ج۔ شوہر پر نان و نفقہ، حفاظت اور بحیثیت مجموعی محبت اور صلاح و مشورہ کی بنیاد پر پورے

خاندان کی سربراہی کا ذمہ دار ہے۔ باہم ماتحتی اور مردوں اور عورتوں کے رول کے ایک دوسرے کا تتمہ اور تکملہ ہونے کا مطلب ایک دوسرے کا تابع فرمان ہونا نہیں ہے۔ محمد ﷺ نے اپنی مصروف زندگی کے باوجود روزمرہ کے گھریلو کاموں میں ازواج مطہرات کا تعاون فرمایا۔

"بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں گی جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہے۔ اور باپ پر ہے ان عورتوں کا کھانا کپڑا دستور کے مطابق کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی گنجائش کے مطابق، نہ ماں کو نقصان پہنچایا جائے گا اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ ہی باپ کو بچے کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے، پھر اگر اپنی رضا اور مشورہ سے دو سال کے اندر دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم لوگ کسی دایہ سے دودھ پلوانا چاہو اپنے بچوں کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جب کہ تم حوالہ کر دو جو تم نے دینا طے کیا ہے دستور کے مطابق، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔ (قرآن ۔۲۳۳۔۲)

قرآن نے شوہر کو بیوی کے تعلق سے بامروت اور رحم دل ہونے کو کہا ہے حتی کہ اگر وہ اسے پسند بھی نہ ہو "اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو اور ان کو نہ روکے رکھو کہ تم ان سے اپنے دیے میں سے کچھ لے لو مگر یہ کہ وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں، اور عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرو پھر اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں کچھ ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں بہت سی خوبیاں رکھ دی ہوں (قرآن ۔۱۹۔۴)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں عورتوں کے ساتھ نرم خوئی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں" "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لئے سب سے بہتر ہے"

ازدواجی اختلافات بغیر ظلم و زیادتی کے ذاتی طور پر بالتدریج حل کئے جاتے ہیں، اگر اختلافات کا حل نہیں نکل پاتا ہے تو خاندان کے افراد سے رجوع کیا جاتا ہے، طلاق آخری چارہ کار ہے جو اگرچہ قابل قبول ہے تاہم اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی، کسی بھی حال میں قرآن مجید خانگی تشدد، یا تعذیب اور تحقیر کی نہ تو حوصلہ افزائی کرتا ہے اور نہ ہی اجازت دیتا ہے

اور نہ ہی اسے نظر انداز کرتا ہے، انتہائی صورت میں زیادہ سے زیادہ ایک معمولی مار کی اجازت دی گئی ہے جس سے بدن پریشان نہ ہو تاکہ شادی کو ٹوٹنے سے بچایا جا سکے۔

د۔ فسخ نکاح کی صورتیں باہمی مصالحت پر چلتی ہیں، یعنی شوہر کا اقدام اور بیوی کا اقدام چاہے وہ کسی وجہ سے جز و نکاح ہو یا عورت کے اقدام پر عدالت کا فیصلہ، اور بغیر وجہ کے عورت کے اقدام میں گنجائش ہے کہ وہ شوہر کو مہر واپس کر دے یعنی خلع کی صورت۔

و۔ تقریباً سات سال تک کے چھوٹے بچوں کی نگرانی کے لئے ماں کو ترجیح دی جاتی ہے اس کے بعد ماں باپ کے ساتھ رہنے میں بچہ کو اختیار ہوتا ہے، پرورش کے مسائل اس طرح حل کیے جاتے ہیں جو بچے کی بھلائی اور والدین کے مفاد میں تعاون برقرار رکھیں۔

مسئلہ تعدد ازدواج: ایک مشہور الزام جو اسلام پر تھوپا جاتا ہے تعدد ازدواج ہے گویا کہ یہ اسلام کی ایجاد ہے یا اسلامی تعلیمات کا اثر ہے حالانکہ قرآن مجید کی کوئی آیت یا سنت سے یہ بات ثابت نہیں کہ ایک بیوی رکھنا یا کئی بیویاں رکھنا کوئی رسم ہے، سماجی اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عورت سے شادی کا رواج ہے اور تعدد ازدواج کی مثالیں شاذ ہیں، تقریباً تمام ممالک میں اور عالمی سطح پر مردوں اور عورتوں کی تعداد تقریباً برابر ہے، عورتوں کی تعداد تھوڑی زیادہ ہے، اس طرح تعدد ازدواج کو رواج کی حیثیت سے تسلیم کرنا ممکن نہیں کیونکہ اس کو تسلیم کر لیں تو سماجی اعداد و شمار میں کم از کم $\frac{4}{5}$ عورتیں اور $\frac{1}{5}$ مرد ماننا پڑے گا یا اسی فیصد عورتیں اور بیس فیصد مرد اگر ہر مرد کو چار بیویاں رکھنے کا رواج ہو کوئی اسلامی رسم نا ممکن مفروضہ پر قائم نہیں ہے۔

ب۔ تاہم بہت سی قوموں اور مذاہب کے مانند اسلام نے تعدد ازدواج کو خلاف قانون نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسے قائم رکھا ہے اور تحدید بھی کر دی ہے نہ تو اس کا مطالبہ کیا گیا ہے اور نہ ہی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، بلکہ سادہ انداز میں حکم دیا گیا ہے اور خلاف قانون قرار نہیں دیا گیا ہے ایڈورڈ ویسٹر مارک نے یہودیت، نصرانیت اور دیگر مذاہب میں تعدد ازدواج کے جواز کی

متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

ج۔ قرآن مجید کی واحد آیت "اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو، تین تین اور چار چار پھر اگر تم کو اندیشہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو، یا لونڈی جو اپنا مال ہے، اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہیں جھک پڑو گے، (قرآن۔۳:۴) اسی میں تعدد ازدواج کا ذکر ہے اور جس میں زیادہ سے زیادہ بیویوں کی تعداد کی شرط کی حد بندی کر دی گئی ہے اور ان کے درمیان انصاف کا حکم دیا گیا ہے، یہ آیت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی جس میں درجنوں مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا تھا اور یتیموں اور بیواؤں کو چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے، اس سے متبادر ہوتا ہے کہ اس کے دائمی جواز کا مطلب ان انفرادی و اتفاقی حادثات سے نبرد آزمائی ہے جو بسا اوقات پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً حالات جنگ میں مرد و زن کا عدم توازن اس طرح یہ چیز ان یتیموں اور بیواؤں کے مسائل کا اخلاقی اور انسانی حل فراہم کرتی ہے، جو شوہر یا والد کی عدم موجودگی میں ضروریات کی کفالت کے تعلق سے تقریباً بالکل غیر محفوظ ہو جاتے ہیں، مثلاً معاشی ضروریات، دوستوں ساتھیوں اور زندگی کا بوجھ اٹھانے کے تعلق سے دیگر ضروریات۔ "اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو، تین یا چار، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان میں عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو..... (قرآن۔۳:۴)

د۔ فریقین کو اختیارات حاصل ہیں کہ وہ ہونے والی دوسری بیوی کی صورت میں شادی کی تجویز کو رد کر دیں یا جو عورت متعدد بیوی رکھنے والے شوہر کے ساتھ نباہ نہ کر سکتی ہو طلاق یا خلع کرالے، قرآن نے ایک مرد کو کئی عورتیں رکھنے کی اجازت دی ہے مگر اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ ایک عورت کئی مردوں سے تعلقات رکھے۔ انسانیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کئی شوہر کا رواج نایاب ہے، اس کو عملاً اختیار کرنے سے کئی اجتماعی سنگین مسائل جنم لیتے ہیں جو اولاد کی نسبی شناخت سے تعلق رکھتے ہیں، اور نسوانی فطرت سے جدا ہوئی کے تعدد سے

متعلق ہیں۔

۳۔ **بحیثیت ماں**: الف۔ والدین خصوصاً ماں کے ساتھ حسن سلوک عبادت الٰہی کے فوراً بعد ہے "اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے، اس کو اس کی ماں نے پیٹ میں رکھا مشقت کے ساتھ اور دودھ چھڑانا دو برس میں ہے کہ میرا اور ماں باپ کا حق مان، آخر مجھی تک آنا ہے۔ (قرآن۔۳۱:۱۴)

"تیرا رب فیصلہ کر چکا کہ اس کے علاوہ کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ہوں نہ کہو اور انھیں نہ جھڑکو، اور ان سے ادب کی بات کہو۔ (قرآن۔۱۷:۲۳)

ب۔ احادیث میں بھی ماں کو مخصوص تعظیم کا مستحق بتایا گیا ہے "ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول! لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں، آدمی نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے کہا تیرا باپ۔ (بخاری)

۴۔ **بحیثیت بہن**: الف۔ عمومی طور پر عورتیں مردوں کی بہنیں ہیں یا مردوں کی نصف ہیں۔

ب۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کا احترام، پاس و لحاظ اور ان کے ساتھ رحم دلی کی تعلیم دی ہے "میں تمہیں عورتوں کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنے کا حکم دیتا ہوں۔"

۵۔ **شرم وحیا کا مسئلہ اور سماجی تعامل**: الف۔ حقیقی نمونے کے درمیان مسلمانوں میں بڑا خلا موجود ہے، ثقافتی سرگرمیاں بھی دونوں انتہاؤں کو پہنچی ہوئی ہیں، کچھ مسلم غیر اسلامی تہذیب کی ہمسری کرتے ہیں، اور پہناوے کے انداز، آزادانہ اختلاط اور ایسی روش اختیار کرتے ہیں جو مسلمانوں پر خراب اثرات اور خاندان کی قوت و اتحاد کے فقدان کی صورت میں نتیج ہوتی ہے، جب کہ دوسری طرف کچھ مسلمانوں میں ناجائز اور حد سے زیادہ تہذیبی پابندیاں عموماً تسلیم کی جاتی ہیں، دونوں ہی انتہائیں اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کے برعکس ہیں اور نبی کریم ﷺ

کے زمانہ کے پاکیزہ معاون معاشرہ کی فطرت کے بھی خلاف ہیں۔

ب ۔ مرد و عورت کے لئے مناسب شرم و حیا کے حدود و متعین لباس اور اخلاق کی بنیاد قرآن و سنت جیسے بنیادی ماخذ پر ہے اور مرد و عورت کے ایمان و یقین کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے، جائز مقاصد کے ساتھ خدا کی ہدایت اور ان کے پیچھے خدائی حکمت کی حیثیت سے یہ آدمی کی مسلط کردہ نہیں ہیں اور نہ ہی سماج کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں ہیں، عورتوں کو بالکل الگ تھلگ رکھنے کا نظریہ دورِ رسالت سے الگ ہے، خلوت کے تصور کی توجیہ میں مسائل کی تشریح، کسی حد تک تہذیبی اثرات اور مختلف مسلم ممالک کے حالات کے زیر اثر رہی ہے۔

قانونی؛ سیاسی پہلو : قانون اور عدلیہ کے نزدیک دونوں ہی جنسیں انصاف کی حقدار ہیں اور قانون جنس سے پرے ہے، قرآن میں اکثر آیات جو شہادت کے لئے ہیں وہ جنس میں کوئی تفریق نہیں کرتیں، بلکہ عبارتیں مکمل طور پر مرد و عورت کی شہادت کو برابر قرار دیتی ہیں " اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس اپنی ذات کے علاوہ کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ واقعی وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو، اور عورت سے عذاب ٹل جائے گا یوں کہ وہ گواہی دے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہ واقعی وہ جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے"
(قرآن ۔ ۹-۶:۲۴)

قرآن کی ایک عبارت مرد و عورت کی شہادت میں فرق کرتی ہے اس آیت کا حوالہ اور اس کی تشریح بھی مفید ہوگی اور قرآن میں گواہی کی دوسری آیات کے سیاق کی روشنی میں تفہیم بھی نفع بخش ہوگی " اے ایمان والو! جب تم کسی وقت مقرر تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا لکھ دے انصاف کے ساتھ اور لکھنے والا اس سے انکار نہ کرے کہ وہ لکھے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے اس لئے اس کو لکھ دینا چاہیے اور بتلاتا جائے وہ شخص جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے پس اگر وہ شخص جس پر قرض ہے کم عقل یا کمزور ہے یا وہ بتلانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کا ولی انصاف سے بتلا دے اور مردوں میں سے دو گواہ بنا دو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک آدمی اور دو عورتیں ان میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہ ہوں میں تا کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے اور گواہ انکار نہ کریں جس وقت بلائے جائیں اور اسے لکھنے میں کاہلی نہ کرو معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس کی میعاد تک ، اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو دست بدست جس کو آپس میں لیتے دیتے ہو تو تم پر اس کو نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں اور گواہ بنا لیا کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو تو یہ تمہارے اندر گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ (قرآن ۔ ۲:۲۸۲)

غلط فہمی سے بچنے کے لئے اس آیت پر کچھ تبصرہ ضروری ہے: الف ۔ اس بات کو بحث کا مسئلہ نہیں بنایا جا سکتا ہے جیسے کہ یہ قرآن کا عام اصول ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے، یہ تسلیم شدہ قانون ما قبل مذکور آیت (۹-۶:۲۴) سے منسوخ ہے جو واضح طور پر موجودہ مسئلہ میں دونوں جنسوں کی شہادت کو برابر قرار دیتی ہے۔

ب ۔ اس آیت کے سیاق کا تعلق معاشی معاملات پر گواہی سے ہے جو اکثر پیچیدہ اور تجارتی اصطلاحات کے زیر اثر ہوتے ہیں۔

ج ۔ گواہ مرد و عورت کی مطلوبہ تعداد میں فرق کی وجہ آیت میں بیان کر دی گئی ہے۔

کسی ایک جنس کی شہادت کی تحقیر و ترجیح کے لیے قرآن مجید میں کوئی عبارت نہیں ہے۔ واحد دلیل جو پیش کی گئی ہے وہ عورت کی تصدیق ہے اور تجارتی معاملہ کے ادراک میں غیر ارادی غلطیوں سے احتیاط ہے۔ آیت میں مستعمل عربی لفظ "تضل" کا مطلب بھٹک جانا، شبہ میں پڑ جانا، البتہ کیا عورت ہی وہ چیز ہے جس سے غلطی ہوتی ہے اور شہادت میں اس کی تصدیق کی ضرورت ہے، بالکل نہیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون شہادت میں دو شہادتیں لازم ہیں خواہ دونوں

مردوں کیوں نہ ہوں، اس طرح ہمارے لیے صرف ایک معقول مفہوم بچتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بننے والے مثالی معاشرہ میں عورتوں کو اپنے نسوانی کاموں کی انجام دہی میں ترجیح دی جائے گی مثلاً بیوی، ماں اور خیراتی کاموں کی بانی کی حیثیت سے سماجی زندگی اور خانہ داری کے کاموں میں مزید ماہر بنانے کے باوجود یہ زور، اہمیت اور تاکید انھیں تجارتی معاملات اور اصطلاحات میں تجربہ اور مناسب موقع نہیں دے سکتا کیونکہ اس طرح کی مثالی مسلم عورت ایک سچے مسلم معاشرے میں تجارتی معاملات کی گفت وشنید کے وقت عام طور سے حاضر نہیں ہوگی اور اگر حاضر ہو بھی جائے تو معاملات کو پوری طرح سمجھ نہ سکے گی، اس طرح کے معاملات میں دو عورتوں کے ذریعہ گواہی کی توثیق ان کی باہم ذکر یاد دہانی میں معاون ہوتی ہے اور اس طرح واقعہ کی ٹھیک صورت حال بیان کر دیتی ہیں۔

د۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایک اچھے جج کا فرض ہے کہ وہ مخصوص مقدمہ میں کسی بھی گواہ کے صحیح یقین اور تجربہ کا اندازہ کرے اور اس وقت کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھے۔

۲۔ مرد وعورت کا عام معاملات میں ایک ساتھ مل کر کام کرنا اور شرکت کرنا عام سیاسی وسماجی قانون ہے۔" اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے معاون ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتے ہیں، انھیں پر اللہ رحم کرے گا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ (قرآن ۷۱:۹)

۳۔ حکمراں کے انتخاب، عوامی معاملات، قانون سازی، انتظامی عہدوں، تعلیم وتدریس حتی کہ میدان جنگ میں بھی مسلم خاتون کے حاضر ہونے کے کافی تاریخی ثبوت موجود ہیں، اس طرح کی تمام سماجی اور سیاسی مصروفیات عفت و پاکدامنی کے اسلامی خطوط کا احترام کرتے ہوئے اور دونوں جنسوں کی امدادی ترجیحات کو نظر انداز کیے بغیر انجام دی جاتی تھیں،

کتاب وسنت میں کوئی نص نہیں ہے جو عورتوں کو امامت وقیادت سے روکے سوائے نماز کی امامت نماز کے نظم کی وجہ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اور ملک کی قیادت جیسا کہ مشہور حدیث کی تشریح بتاتی ہے، اسلام میں سربراہ مملکت محض اس کا صدر نہیں ہوتا، بعض اجتماعی نمازوں کی امامت کرتا ہے، ہمیشہ سفر کرتا رہتا ہے اور دوسرے ملکوں سربراہوں سے معاملات کرتا ہے جو عموماً مرد ہی ہوتے ہیں، وہ ان کی خفیہ نشستوں میں شریک ہوتا ہے، اتنی بڑی مصروفیت اور اس کا ضروری نظم ان اسلامی خطوط کے موافق نہیں ہو سکتا جو دونوں جنسوں کے تعامل، نسوانی کاموں کی ترجیح، اور سماج میں ان کے مقام سے متعلق ہیں، مزید براں اس محدود ممانعت پر تنقید کرنے والوں کا خیالی اور فلسفیانہ پس منظر انفرادیت، انا کی تسکین اور خود ساختہ نظریوں، قدروں اور نظاموں کی جانب سے ہدایت ربانی کے قانونی ہونے کی تردید ہے، مسلم مرد وعورت کا مطمح نظر مقصود خدا اور اس کی مخلوق کی حتی المقدور اخلاص کے ساتھ خدمت کرنا ہے۔

خاتمہ: جنسی مساوات کے بارے میں تحریری تھیم اور بنیادی نمونوں کو بسا اوقات کچھ مسلم رد کردیتے ہیں اگرچہ انفرادی اور اجتماعی طور سے مسلمانوں کی اکثریت ایسا نہیں کرتی جو قانون خدائی فرمان نہیں ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اس کا مطلب واضح قرآن وسنت پر نظر ثانی نہیں ہے بلکہ جن چیزوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے وہ خطاپذیر انسانی تشریحات اور قوانین ہیں۔

ب۔ مسلم ممالک میں مختلف دستور مقامی یا بین الاقوامی طور پر تہذیبی اثرات کو ظاہر کرتا ہے جو تھیم شریعت اور اس کی روح سے بھی متجاوز ہے۔

ج۔ اتفاق سے مساوات مرد وزن کے تعلق سے ہمارے خیال کی اصلاح کے لئے ایک ذہن ابھر رہا ہے جو قرآن اور حدیث کی بنیاد پر ہے دوسری چیزوں، غیر اسلامی یا غیر اسلامی اقدار پر نہیں اور نہ ہی مسلم دنیا کے بہت سے علاقوں میں موجود ظالمانہ اور غیر منصفانہ صورت حال پر ہے۔

تشریحات : انگریزی میں Eqality کے بجائے Equity کی اصطلاح

استعمال کی جاتی ہے جس کو غلطی سے ہر ایک میں مکمل مساوات اور مقابلہ کے ہر معاملہ میں کسی حد تک مکمل مساوات کے معنی میں سمجھا جاتا ہے، جب کہ Equity کا مطلب یہاں انصاف اور دونوں جنسوں کے فرائض اور جملہ حقوق میں برابری ہے اس مکمل توازن اور مساوات ہی میں 'مخصوص' معاملات میں تبدیلی کی اجازت ہے یہ ان دو افراد کے مماثل ہے جن کے پاس ایک ہزار ڈالر کی رقم مختلف کرنسیوں کی شکل میں موجود ہو جب کہ ہر ایک کے پاس دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ کرنسی ہو سکتی ہے مگر ہر حال میں اس کی قیمت ایک ہزار ڈالر ہی ہوگی، مزید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی پس منظر میں مرد و عورت کا کردار ایک دوسرے کا تکملہ ہے اور مسابقتی کے بجائے معاونتی ہے۔

مغرب میں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ آیا ایک مسلم خاتون کو بھی پادری بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ آزاد گرجا گھر بناتے ہیں، یہ بات ذہن میں مستحضر رہنی چاہیے کہ اسلام میں گرجا گھر یا پادریت کا تصور نہیں ہے اس لئے پادری بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تاہم مذہبی تعلیم، روحانی و سماجی صلاح و مشورے جیسے دینی پیشوائی کے عام کاموں کی اجازت نص سے ثابت ہے پھر بھی ایک عورت نماز کی امامت نہیں کر سکتی کیونکہ مسلمانوں کی عبادتوں میں سجدہ، سخت تھکاوٹ اور جسمانی ربط ہے چونکہ نماز میں امام جماعت کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور بھیڑ بھاڑ والی قطاروں کے درمیان سے ہو کر آگے جا سکتا ہے اس لئے یہ بات غیر موزوں ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ بھی ہے کہ عورت اس حالت میں ہو اور سجدہ میں ہاتھ پیر اور پیشانی اپنے پیچھے مردوں کے ساتھ زمین پر ٹیکے ایک مسلم خاتون شریعت کی عالم ہو سکتی ہے، صدر اسلام میں عالم خواتین کے بہت سے نمونے ہمیں ملتے ہیں، جنھوں نے دونوں ہی جنسوں کو تعلیم دی۔

یہ یورپ کی ان نام نہاد قانونی سہولیات سے موازنہ ہے جس نے اسلام کی آمد کے تیرہ صدیوں بعد تک عورتوں کے حقوق تسلیم نہیں کئے تھے، سلسلہ وار قوانین جن کا آغاز ۱۸۷۹ء میں Married Women's Property Act (شادی شدہ عورتوں کی ملکیت کا قانون)

سے ہوا، جس میں ۱۸۸۲ء میں پھر ۱۹۹۷ء میں اصلاح کی گئی ان قوانین کے ذریعہ عورتوں کو جائیداد رکھنے اور غیر شادی شدہ، بیوہ اور مطلقہ عورتوں کو تجارتی معاملات وغیرہ میں شرکت کا برابر کا حق مل سکا۔

عدت کی مدت تین ماہ ہے البتہ اگر عورت حاملہ ہے تو یہ وضع حمل تک محیط ہے، باہمی جھگڑے کی صورت میں قرآن مجید شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے اور اس کے مثبت پہلوؤں کو نظر انداز نہ کرنے کی تاکید کرتا ہے اگر معاملہ کا تعلق عورت کے چال چلن سے ہو تو اس کا شوہر اس کو نصیحت کرے، اور مسئلہ کو سمجھنے کی اپیل کرے گا اکثر مسائل میں اسی اصول پر عمل پیرا ہونا ہی کافی ہوتا ہے اس کے باوجود مسائل باقی رہنے کی صورت میں شوہر اپنی ناراضگی کا اظہار دوسرے پر امن طریقوں سے کر سکتا ہے مثلاً یہ کہ شوہر بیوی سے الگ بستر پر سوئے، پھر بھی بعض مسائل ایسے ہو سکتے ہیں جہاں عورت اپنے شوہر کی بدسلوکی پر بحث کے لئے اصرار کر سکتی ہے اور شادی کی ذمہ داریوں سے مکر سکتی ہے ایسی صورت میں طلاق کے بجائے شوہر دوسرا اصول اختیار کر سکتا ہے جو کم از کم بعض مسائل میں رشتۂ ازدواج کو بچا سکتا ہے، یہ اصول بالکل نیا تھا بیان کر دیا گیا ہے وہ یہ کہ چہرہ کو چھوڑ کر جسم پر ہلکی ضرب دے سکتا ہے تعزیری کے بجائے مزید معری اصول بتاتے ہیں، متعلق آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سے کہ انھوں نے اپنے مال خرچ کیے پس جو نیک عورتیں ہیں وہ تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں غائبانہ (پیٹھ پیچھے) میں اللہ کی حفاظت سے اور تم کو جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور انھیں سونے میں الگ کر دو اور مارو پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر الزام کی راہ مت تلاش کرو، بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے'' (قرآن۔۳۴:۴) یہاں بھی انتہائی اصول درج ذیل ہدایات کے ذریعہ محدود ہے۔

الف۔ مذکورہ حسن سلوک، رحم دلی، اور باہمی ادب و احترام کی تاکید سے مثلاً استثنا کے طور پر اس کو سمجھنا چاہیے۔ قرآن و حدیث کا یہ اصول عورت کی طرف سے عیاشی، شوہر کی معقول

گزارشات سے بغاوت اور سرکشی کی حالت میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہے تاہم اس وقت بھی "تلقین جیسے اصول کو ہی پہلے استعمال کیا جائے گا۔

ب۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ کسی کے چہرے پر مارنا جائز نہیں، کسی کو جسمانی ایذا رسانی کی اجازت نہیں حتیٰ کہ انتہائی سختی سے پیش آنا بھی درست نہیں، احادیث میں "ضرباً غیر مبرح" یعنی ہلکی مار کو قدیم فقہاء نے مسواک کو علامتی استعمال کے طور پر لیا ہے، انھوں نے آگے جائز مار کو مقید کیا ہے کہ یہ اس حیثیت کی مار ہے جو جسم پر کوئی نشان نہ چھوڑے، دلچسپ بات یہ ہے کہ چودہ صدیوں بعد کا پرانا حد بندی کرنے والا وہ معیار ہے جو موجودہ امریکہ کی قانونی زبان میں Abuse (بدسلوکی) سے بچنے، بغیر ایذا والی ضرب اور خفیف سی جدائی کی لئے استعمال ہوا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ انتہائی اور آخری تدبیر اور اہون البلیتین کا اصول ہے جو شادی کو بچا سکتا ہے، یہ جسمانی بدسلوکی، خاندانی تشدد اور عورت کی پٹائی کے بیسویں صدی کی آزاد جمہوریاؤں کے قوانین کی تعریف میں نہیں آتا جہاں اس طرح کی اچھائیں اتنی عام ہیں کہ انھیں قومی تشویش سمجھا جاتا ہے۔

ج۔ مسلسل سرکشی کے بارے میں سنجیدگی کے اس علامتی اظہار کی اجازت کا مطلب اس کی حوصلہ افزائی نہیں ہے بلکہ بہت سی احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اس کو ناپسند کیا ہے، احادیث میں ہے "اللہ کی خادماؤں (عورتوں) کو مت مارو"، "کچھ عورتیں میرے گھر والوں سے ملنے آئیں، اپنے شوہروں کی شکایت کی جو انھیں مارتے تھے تو فرمایا، "یہ شوہر تمہارے اچھے آدمی نہیں کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ تم میں کوئی اپنی بیوی کو بددیانت آدمی کی طرح پیٹتا ہے، غلام کو مارتا ہے اور شام میں اسی کے ساتھ سوتا ہے" ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اونٹ کی طرح کیسے مارتا ہے حالانکہ وہ اس کے ساتھ سوسکتا ہے"۔

د۔ سنت کی حقیقی پیروی اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ کو اختیار کرنے میں ہے جنھوں نے حالات سے قطع نظر اس اصول کو کبھی اختیار نہیں کیا۔

و۔ اسلامی تعلیمات کی فطرت میں آفاقیت ہے، ضروریات، اختلاف حالات اور تہذیبوں کا جواب دیتی ہیں بلکہ دوسری معمولی چیزوں کے بارے میں بھی ہدایات دیتی ہیں، بعض اصول بعض مقامات پر ذہنی تربیت کے لئے کارگر ہوسکتے ہیں اور افراد کے لئے موزوں ہوسکتے ہیں مگر دوسروں کے لئے وہی موثر نہیں ہوسکتے، جواز کی تعریف کی رو سے اسے نہ تو پسند کر کے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور نہ ہی اس سے روکا گیا ہے، اس معاملہ میں اسے آزاد اور بے قید چھوڑنے اور یکسر نظر انداز کرنے کے مقابلہ میں دائرہ جواز کی وسعت کی وضاحت کردینا بہتر ہے سخت قسم کے اصول پسند یا پابندی لگانے والے نہ ہوتے تو زیادتیوں اور حقیقی بدسلوکی میں گرفتار ہوکر افراد اپنے من مانے ڈھنگ سے تاویلیں کرتے اور مطلب نکالتے۔

ہ۔ کسی طرح کا حد سے زیادہ ظلم، خاندانی تشدد یا بدسلوکی جس کا کسی مسلم نے ارتکاب کیا ہو وہ کسی قرآنی عبارت یا حدیث سے منسوب نہیں کیا جاسکتا، اس قسم کی زیادتیوں اور تشدد کا ذمہ دار وہ شخص بذات خود ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلامی احکام و تعلیمات کے تئیں صرف زبانی جمع خرچ کر رہا ہے اور حقیقی سنت پر عمل پیرا ہونے میں ناکام ثابت ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆

☆☆☆☆

بحث و نظر

قربانی پر اعتراضات کا ایک جائزہ

عبد البر اثری فلاحی

اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں رچی ہیں ان میں سے ایک اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ بھی ہے تاکہ مسلمانوں کو دبایا جاسکے اور صاف ستھرا ذہن رکھنے والوں کو بھڑکایا جاسکے۔ من جملہ ان امور کے ایک اہم معاملہ "قربانی" بھی ہے۔ جسے بعض بد قماش چار قدم اور آگے بڑھ کر مطلق "گوشت خوری" کا عنوان دے کر کلام کرتے ہیں ان دنوں پھر ملک کے مختلف گوشوں سے اس مسئلہ کو زور و شور سے اٹھایا جارہا ہے۔ اس ضمن میں ان کے جو اعتراضات ہیں ان کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ حقیقت حال لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے۔

سب سے پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح ہم جان رکھتے ہیں اسی طرح تمام جانور جان رکھتے ہیں۔ ان کو اس طرح ذبح کرنا، ان کا گوشت کھانا یا انکی قربانی کرنا ان پر ظلم ہے کیونکہ اس سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ انسانی جذبۂ رحم کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ کیونکہ "جیو ہتیا" کسی مذہب میں پسندیدہ نہیں ہے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس سے نسل کشی ہوتی ہے۔ کیونکہ جن جانوروں کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے یا جن کی قربانی کی جاتی ہے وہ سال بھر برابر ذبح کیے جاتے ہیں۔ پھر یہ کہ اس کی وجہ سے نہ صرف ان کی نسل کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے بلکہ منگائی بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور بے تحاشا خون بہنے کی وجہ سے فضائی آلودگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ جو انسانوں کی صحت پر مضر اثرات ڈالتی ہے۔

اسی ضمن میں ان کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عید قرباں کے موقعہ سے جس قدر قربانی کی جاتی ہے وہ اسراف و فضول خرچی کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ اس وقت انسانوں کو اس قدر گوشت کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ کافی مقدار میں وہ ضائع جاتا ہے۔ کیا اس رقم

سے غریبوں اور ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کردی جائے تو اس سے اچھا کام نہیں ہوگا؟

ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں ایک چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے اس سے باہمی منافرت پیدا ہوتی ہے کیونکہ ہم گائے کی قربانی کرتے ہیں جبکہ اسے دوسروں کے یہاں "مذہبی تقدس" حاصل ہے گویا ہم ان کے "مذہبی تقدس" کو پامال کر کے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ان تمام اعتراضات کے جواب سے پہلے ایک اہم بات کی طرف نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ صحیح بات سمجھنا آسان ہو جائے۔

جانوروں کے ذبح یا گوشت خوری کے خلاف جس قدر واویلا مچایا جاتا ہے دراصل یہ ایک مخصوص ذہن کی پیداوار ہے اور اس کا ایک مخصوص پس منظر ہے۔ یہ نیک نیتی اور جانوروں کی ہمدردی کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اور صرف گاؤکشی بند کرانے کی غرض سے یہ سب اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں ورنہ صورتحال یہ ہے کہ جو لوگ جانوروں پر ظلم کرنے کی بات کرتے ہیں وہ خود اس میں ملوث ہیں اور ایسا کرتے ہیں۔ کون ہیں جو جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے بس فرق یہ ہے کہ وہ گائے کے علاوہ بکری مرغ وغیرہ کو ذبح کرتے اور ان کا گوشت کھاتے اور مسلمان گائے کو بھی ذبح کرتا ہے اور ان کا گوشت کھاتا ہے۔ لیکن نفس کام یعنی ذبح کرنا اور گوشت کھانا تو ہر ایک کرتا ہے، پھر آخر گائے کے علاوہ دوسرے جانوروں کو ذبح کرتے وقت انہیں کیوں خیال نہیں ہوتا کہ وہ جانوروں پر ظلم کیوں کررہے ہیں؟ ان کا جذبۂ رحم کہاں چلا جاتا ہے۔ کیا گائے کے علاوہ دوسرے جانوروں کو تکلیف نہیں پہنچتی؟ کیا گائے کے علاوہ دوسرے جانوروں کو ذبح کر کے کھانا "جیو ہتیا" نہیں ہے؟

رہی بات تکلیف کی تو اس سلسلے میں اسلام کی واضح ہدایات ہیں کہ اس طرح ذبح کریں کہ انہیں زیادہ تکلیف نہ پہونچے۔ چنانچہ چھری تیز کرلینے، ذبح کی کاروائی میں جلدی کرنے وغیرہ کی تعلیمات اسی پہلو کو مد نظر رکھ کر دی گئی ہے۔

رہا دوسرا اعتراض تو اس سلسلے میں یہ منطق سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم ذبح کریں اور کھائیں تو نسل کشی ہوگی اور وہ ذبح کریں اور کھائیں تو نسل کشی نہیں ہوگی؟ آخر اس تفاوت کے لئے کون سی دلیل ہے؟ جب کہ صورتِ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے یعنی یہ کہ جن

جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے تو اس قدر مسلسل استعمال کے باوجود بھی آج تک انکی نسل کشی نہیں ہو سکی بلکہ اگر جائزہ لیں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے وہی زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن کو نہیں کھایا جاتا وہ کم تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ خالق کائنات نے ان جانوروں کی افزائش زیادہ رکھی ہے جنھیں کھایا جاتا ہے اور انکی کم رکھی ہے جنھیں نہیں کھایا جاتا۔

اس موقعہ پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آخر یہ جانور کس غرض سے پیدا کیے گئے ہیں۔ محض دنیا میں چرنے کھانے کے لئے یا یہ کہ ان کو پیدا کرنے کی کوئی اور غرض و غایت ہے۔ اور وہ غرض و غایت کیا ہے؟ جب تک کہ اس کا جواب نہیں ڈھونڈ لیا جاتا اس وقت تک جانوروں کا مصرف متعین کرنا مشکل ہے۔ اوروں کے یہاں کیا غرض و غایت ہے واضح طور پر تو کہیں نہیں ملتا البتہ کچھ اشارات ضرور ہیں کہ یہ سب کچھ انسانوں کی نفع رسانی کے لئے ہیں۔ بہر حال ہدایات جو کچھ بھی ہوں ان کا عمل اسی اصول کے مطابق ہے۔ یعنی یہ کہ ان جانوروں سے خوب سے خوب اور مختلف انداز میں فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے علاوہ کوئی اور مصرف ان کے یہاں عملاً نہیں ہے۔

رہا اسلام تو اس نے واضح طور پر یہ اعلان کیا ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں اللہ نے انسانوں کی خاطر پیدا کی ہیں۔ اور شرعی حدود کے اندر وہ ہر ایک سے جس قدر ضرورت ہو فائدہ اٹھائیں۔

اس تناظر میں جب آپ دیکھیں گے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان کا گوشت پوست استعمال کر کے ان کو واقعی صحیح مصرف میں لایا جا رہا ہے۔ ورنہ پھر ان کے وجود کا کیا حاصل؟ اگر انھیں انسان اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے استعمال نہ کر سکے؟ جبکہ انسان مختلف پہلوؤں سے ان جانوروں کے گوشت پوست کے استعمال کا محتاج ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل پہلوؤں پر نظر رہنی بھی انتہائی ضروری ہے۔

انسان کی صحت اور توانائی کے لئے بعض ایسے وٹامنس کی ضرورت ہے جو گوشت کے علاوہ اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتے۔ اگر وہ نہ کھائیں تو کیا جان کو خطرے میں نہ ڈالیں

گے۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ ایک انسان کی جان عزیز ہے یا ایک حیوان کی؟

وہ علاقے جہاں پیداوار نہیں ہوتی وہاں جانوروں ہی پر گذارا ہوتا ہے اگر یہ ممنوع ہو جائے تو پھر وہ کیسے زندہ رہیں گے۔

بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر غذائی مسئلہ ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے۔ جانوروں کا استعمال اس مسئلہ کو حل کرنے میں انتہائی مدد ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس سے بہتوں کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ فیملی پلاننگ، اور مانع حمل دوائیں عام کی جا رہی ہیں تاکہ آبادی نہ بڑھے اس طرح انسانوں کی جو نسل کشی کی جا رہی ہے کیا یہ اس سے بڑا ظلم نہیں ہے جو جانوروں کو ذبح کرتے وقت انھیں نظر آتا ہے؟ اس طرح انسانی نسل پر بند لگاتے ہوئے ان کا جذبۂ انسانیت کہاں مر جاتا ہے؟ اس مسئلہ کے حل میں انتہائی معاون تدابیر جانوروں کے گوشت کا استعمال انھیں کیوں نہیں بھاتا ہے؟ رہی فضائی آلودگی کی بات تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جب انھیں استعمال نہیں کیا جائے گا اور وہ کافی تعداد میں موجود رہیں گے تو کیا ان کے فضلے وغیرہ سے فضاء آلودہ نہیں ہوگی؟ اس طرح ایک قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ قربانی اور عام استعمال کی صورت میں ان کے بدن کے بہت سے اجزاء استعمال ہوتے ہیں اور ان سے فضاء آلودہ ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی لیکن اگر جانور جب استعمال نہ کیے جائیں اور پھر کافی تعداد میں فطری موت مریں، سڑیں، گلیں کیونکہ انھیں مرنے کے بعد عام طور سے استعمال میں نہیں لایا جاتا اور نہ ہی دفنایا یا جلایا جاتا ہے تو پھر آپ ہی بتائیں کہ کیا اس بھاری سرانڈ سے فضاء آلودہ نہیں ہوگی؟ اور کیا اس فضائی آلودگی کی مقدار پہلے سے کم ہوگی؟

ان کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عید قرباں کے موقعہ سے اس قدر زیادہ قربانی کی جاتی ہے کہ گوشت ضائع جاتا ہے۔ کیا اس کے بدلے اس رقم کو غریبوں کی امداد میں خرچ کیا جائے تو ایسا کرنا اس سے زیادہ بہتر نہیں ہوگا؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے بنیادی طور پر یہ سمجھ لینا انتہائی ضروری ہے کہ قربانی کی غرض و غایت کیا ہے؟ قربانی سے مقصود غریبوں کی غذائی ضروریات کو پورا کرنا ہے یا یہ کہ اس

سے اس سے مقصود اللہ کے بے پایاں احسانات پر اظہار تشکر ہے اور اس بات کی شہادت دینا ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہم اسی طرح اپنی جانوں کو بھی قربان کر دیں گے جس طرح کہ آج ان جانوروں کو ذبح کر رہے ہیں اگر مقصود محض غذائی ضروریات کی تکمیل ہے تو یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جانوروں کو بلا ضرورت ذبح کرنے کے بجائے اسی رقم سے غریبوں کی امداد کر دی جائے کہ اس سے بھی ان کی اہم ضرورتیں پوری ہو جائیں گی۔ لیکن اگر مقصود اظہار تشکر اور جذبہ جاں نثاری پیدا کرنا ہے تو یہ اہم مقصود اس رقم کو غریبوں میں تقسیم کرنے سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ قربانی سے اصل مقصود یہی جذبہ جاں سپاری پیدا کرنا ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک اسی کی اصل اہمیت ہے گوشت پوست کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءہا ولکن ینالہ التقویٰ منکم (الحج ۳۷) نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ خون مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایسا کرنا اسراف نہیں ہے کیونکہ اسراف یا تو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں یا تو غلط طریقے سے خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور قربانی کا یہ عمل ان دونوں میں سے کسی بھی زمرے میں نہیں آتا اس لئے کہ مطلوب جذبہ پیدا کرنے کے لئے جس قدر ذبح کرنا ضروری ہے اللہ نے اتنا ہی کرنے کا اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور جس طریقے سے کرنے کے لئے کہا ہے اسی طرح یہ کام انجام پاتا ہے۔ اس سے سر مو انحراف نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ انحراف کی صورت میں وہ مقبول بارگاہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جس نے ہمیں جانور دیے ہیں اسی نے ہمیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ انہیں استعمال کرو۔ اس حکم کے پیچھے اسکی کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں یہ وہی بہتر جانتا ہے ان کا احاطہ ہمارے لئے ممکن نہیں۔ بس ہم کچھ ظاہری امور کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن ہم اس حکم کو رد کر سکتے ہیں اور نہ اس سے سر مو انحراف کر سکتے ہیں۔ البتہ اس کی حکمتوں پر غور کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ غور کریں تو مذ رجہ بالا روحانی فائدے کے علاوہ اور بھی بہت سے دوسرے فوائد آپ خود محسوس کریں گے۔ مثلاً جانور پالنے والوں کی اقتصادیات مضبوط ہوتی ہے، عام انسانوں کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

چوتھا اعتراض جو ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں پیش کیا جاتا ہے کہ گائے کی قربانی سے باہمی منافرت پیدا ہوتی ہے کیونکہ اسے دوسروں کے یہاں مذہبی تقدس حاصل ہے۔ اور اسی لئے ان کے یہاں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ عرض ہے کہ دوسروں کے یہاں اسے کلیۃً "مذہبی تقدس" حاصل نہیں ہے۔ بلکہ صرف بعضوں کے یہاں اسے "مذہبی تقدس" حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ ان سب کے باوجود ان کے یہاں گائے کا گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ ان کی مذہبی کتابوں میں ایسا کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اور قدیم زمانے میں ان کے یہاں اسے کھانے کا رواج رہا ہے۔ مثلاً رگ وید دواو سوکت (۱۰/۸۵) میں شادی کی تقریب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ!

"دولہا اور بارات کے لوگ دولہن کے گھر جاتے تھے یہاں دولہن بارات کے ساتھ مل کر کھانا کھاتی تھی، مہمانوں کو اس موقعہ پر گایوں کا گوشت پیش کیا جاتا تھا"۔ (۱۰/۸۵/۱۳)

اسی طرح مہابھارت میں لکھا ہے!"ایک دن راجہ رنتی دیو کے بہت سے مہمان آگئے لہٰذا اس نے ۲۰۱۰۰ رگائیں ذبح کیں"۔ (شانتی پرو باب ۲۹/ شلوک ۱۷۹)

یہاں اس بات کی طرف بھی یہ اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا کہ ان کے یہاں گائے کے گوشت کی ممانعت بہت بعد میں ہوئی ہے جو برہمنوں نے کی ہے اور یہ بھی دراصل ان کے اور بدھوں کے درمیان کشمکش کے نتیجے میں ہوئی ہے۔

اور بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کے یہاں اسے "مذہبی تقدس" حاصل ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دوسروں کے یہاں بھی اسے وہی اہمیت حاصل ہے اور دوسرے بھی اس کے ساتھ وہی رویہ اپنائیں جو اسے "مذہبی تقدس" دینے والوں کا رہا ہے۔ پھر یہ کہ اگر اسی بنیاد پر اگر اس کا استعمال ممنوع سمجھ لیا جائے تو اس طرح دنیا کی تمام چیزوں کا استعمال عملاً ممنوع ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا کی وہ کونسی چیز ہے جسے ان کے یہاں "تقدس" نہیں حاصل ہے۔ اور جنہیں کہ وہ اپنے معبود سمجھ کر نہیں پوجتے ہیں، پھر تو ساری چیزوں سے باز آجانا چاہئے۔

بحث و نظر

خوارج اور احادیث نبویہ

ابو عمار حسن فلاحی

خوارج کی تعریف: یہ وہ لوگ ہیں جو جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی فوج سے واقعہ تحکیم پر ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ "ان الحکم الا للہ"۔ یعنی فیصلے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ آپؓ نے ابو موسیٰ الاشعری اور عمرو بن العاصؓ کو حکم بنا کر کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے لہذا اس کفر صریح سے توبہ آپؓ پر واجب ہے۔

حضرت علیؓ کی فوج سے بغاوت کر کے انھوں نے کوفہ سے دو میل دور حروراء نامی مقام پر قیام کیا اس لئے انھیں "حروریہ" بھی کہتے ہیں اور چونکہ "ان الحکم الا للہ" کا نعرہ انھوں نے بلند کیا تھا اس مناسبت سے انھیں "محکمہ" بھی کہتے ہیں۔

خوارج کی حقیقت: خوارج اصلاً دو نسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں زیادہ تر قبیلہ "ربیعہ" کے وہ عرب تھے جو قبیلہ قریش (مضر) کے اقتدار اور غلبہ سے ناراض تھے۔ چونکہ خلافت راشدہ میں اقتدار و اختیار صرف قبیلہ مضر کو حاصل تھا اس لئے حسد و نفرت کی بناء پر قبیلہ ربیعہ کی ایک بڑی تعداد نے واقعہ تحکیم کو بہانہ بنا کر مضریوں کے اقتدار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ خوارج کے تمام ہی فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ خلیفہ کے لئے قریشی کی شرط درست نہیں۔

دوسرا عنصر ان عجمیوں پر مشتمل تھا جو ایران کی سابقہ حکومت کے قیام کے خواہش مند اور اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بے زار تھے۔ (دیکھئے تاریخ المذاہب الاسلامیہ۔ محمد ابو زہرہ: ص ۶۳)۔

احادیث نبویہ کے تئیں خوارج کا موقف:

خوارج کے تمام ہی فرقے، جنگ صفین سے پہلے جملہ صحابہ کرامؓ کو عادل و ثقہ مانتے

ہیں اور حضرت علیؓ اور عثمانؓ اور جنگ جمل اور واقعہ تحکیم میں شریک ہونے والے جملہ صحابہؓ کو کافر گردانتے ہیں۔ اسی طرح انکے نزدیک وہ تمام لوگ بھی کافر ہیں جنھوں نے تحکیم پر رضامندی کا اظہار کیا یا دونوں حکموں یا کسی ایک کی موافقت کی۔

(الفرق بین الفرق: ۴۵)

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جمہور صحابہؓ کی روایات رد کر دیں کیونکہ واقعہ تحکیم میں شریک یا اس سے متفق ہر صحابی انکے نزدیک کافر اور مباح الدم ہے۔ متعدد تشریعی احادیث کے انکار کی اصل وجہ یہی ہے۔ وہ محققین جو خوارج کے تشریعی احادیث کے انکار کو جہل و نا واقفیت پر محمول کرتے ہیں انکی رائے درست نہیں۔ (السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی: ۱۳۳)

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے نزاع میں شرکت ایک سیاسی معاملہ ہے اور روایات کے رد و قبول ہونے کا انحصار راوی کی صداقت و امانت یا کذب و نسیان پر ہے۔ جمہور صحابہ کرامؓ کی عدالت کو محض اس بناء پر مسترد کر دینا در انحالیکہ وہ کذب و خیانت سے پاک اور امانت و دیانت انکا خاصہ تھا غیر معقول ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ایسے وطنی لیڈر کے فضائل و مناقب کا انکار جس نے اپنے مال، قلم اور نفس کے ذریعہ استعمار کے خلاف جہاد کیا ہو اور ایک شاندار تاریخ رقم کی ہو تو کیا محض اس بناء پر کہ اس نے ایک سیاسی جماعت کی قیادت کی، اسکے فضائل کا انکار معقول ہے۔ اگر ایسا کرنا حق و انصاف کی رو سے ظلم اور تاریخ کی رو سے غلط ہے۔ تو بدرجہ اولیٰ محض سیاسی مسائل میں شرکت کی بناء پر جمہور صحابہؓ کی عدالت کے اسقاط کا فیصلہ ظلم و جور پر مبنی ہوگا۔ اور انکی مرویات پر جرح نا جائز ہوگی۔

وہ احادیث جو خوارج کی نگاہ میں مردود ہیں:

خوارج نے متعدد تشریعی احادیث کا انکار کیا ہے۔ چند مشہور حدیثیں درج ذیل ہیں۔

۱: "الائمۃ من قریش" مسند احمد۔ خلفاء قبیلہ قریش سے ہونگے۔ بخاری میں ہے۔ "ان ھذا الامر فی قریش لایعادیہم أحد الاکبۃ اللہ علی وجہہ ما اقاموا الدین۔

یہ وہ حدیث خوارج کے نزدیک باطل ہے۔ خلیفہ کے لئے قریشی کی شرط درست نہیں۔

۲: " البکر بالبکر جلد مأة و تغرب عام والشیب بالشیب جلد مأة والرجم "۔ (صحیح مسلم)

کنوارا کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال جلاوطنی کی سزا دی جائے اور شادی شدہ شخص شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگائے جائیں اور سنگسار کیا جائے۔

یہ اور جملہ احادیث رجم موضوع ہیں کیونکہ یہ صحیح سندوں سے ثابت نہیں، نیز یہ خبریں قرآن مجید سے بھی متصادم ہیں۔

۳: " و عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: " لایجمع بین المرأۃ و عمتہا ولا بین المرأۃ و خالتہا " متفق علیہ۔

ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عورت اور اسکی پھوپھی اور عورت اور اسکی خالہ کو بیک وقت نکاح میں نہ جمع کیا جائے۔ خوارج کے نزدیک یہ حدیث باطل ہے اور عورت اور اسکی خالہ کے ساتھ ایک ساتھ نکاح جائز و درست ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں!

" انکے ذریعہ اہل ایمان پر کافی مصیبتیں آئیں۔ اور انکے باطل معتقدات میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا گیا۔ انہوں نے شادی شدہ زانی کے لئے سزائے رجم کا انکار کردیا۔ چور کا ہاتھ بغل سے کاٹنے پر اصرار کیا۔ حالت حیض میں بھی حائضہ عورتوں پر نماز واجب کردی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قادر شخص نے اگر اس فریضہ کو ادا نہ کیا تو وہ کافر اور اگر قادر نہیں ہے تو اسے گناہ کبیرہ کا مرتکب گردانا۔ مرتکب کبیرہ انکے نزدیک کافر ہے۔ اہل ذمہ کے اموال و اعراض کی حفاظت کی اور اہل اسلام کو قتل کیا انہیں قیدی و غلام بنایا اور انکے اموال لوٹ لئے۔ (فتح الباری ۱۲/ ۲۸۵)

آپ ﷺ کی پیشین گوئیوں کی روشنی میں خوارج کا ظہور ہوتا رہے گا۔ یہانتک کہ دجال اکبر کا خروج نہ ہو جائے۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں بھی بعض ایسے محققین پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے خوارج کی اس رائے کی پرزور انداز میں وکالت کی ہے کہ اسلام میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم نہیں ہے۔

تجزیہ احوال

ممکنہ جنگِ عراق کے اصل مقاصد

شاہ عالم فلاحی

آج اخبار و رسائل و ٹیلی ویژن پر یہ خبر بہت سرگرمی کے ساتھ گردش کر رہی ہے کہ امریکہ عراق پر حملہ کرنے کی زبردست تیاری کر رہا ہے اور بغداد پر عمل کرنے کے لئے راہوں کو ہموار کر رہا ہے۔ یہ سب ایسے منصوبے ہیں جن کے پیچھے ایک عظیم اور دور رس مقصد پوشیدہ ہے۔

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ عراق اور فلسطین کا مسئلہ زبردست یکسانیت کا حامل ہے بلکہ ایک دوسرے کا توأم ہے۔ امریکہ میں وہائٹ ہاؤس کے اندر کے امریکی پالیسی ساز مفکروں کی نظر میں فلسطین کی تحریک انتفاضہ نہایت بھیانک ہے۔ اور وہ اس تحریک کو کسی بھی طرح سے سبوتاژ کرنے اور اسکی سرگرمی کو محدود سے محدود تر کرنے کی لئے پریشان ہیں اس کے سدباب اور امریکی و یہودی مفادات کے حصول کا واحد راستہ یہ ہے کہ بہت جلد عراق پر حملہ کیا جائے کہ!

۱: اس سے مسلم دنیا کے عوام کی نظریں اور رجحانات عراق کے گرد سمٹ کر رہ جائیں گے اور فلسطین تحریک انتفاضہ سے ان کا قلبی و روحانی تعلق بھی منقطع ہو کر رہ جائے گا۔ اگر اس طرح کا کوئی حملہ عراقی سرزمین پر ہوتا ہے تو یہاں کی عوام مزید پریشانیوں و مسائل میں گھر جائے گی۔ جہاں لاکھوں انسان پہلے ہی سے غیر عادلانہ و غیر منصفانہ پابندیوں سے لقمۂ اجل بنتے جا رہے ہیں۔ اور ۱۹۹۱ء میں عراق پر کئے جانے والے حملہ میں یورینیم گیس کے استعمال سے عوام کی اکثریت کینسر جیسے مہلک مرض کا شکار بن رہی ہے۔ اور اب لوگ نقص تغذیہ اور مختلف النوع امراض کا ہدف بن رہے ہیں۔ جسکی اصل وجہ یہ ہے کہ عراقی عوام بہترین ادویات اور جدید مراکز صحت سے کلیۃً محروم ہیں۔

اگر امریکی حملہ عراقی سرزمین پر کامیاب ہوتا ہے تو پھر افغانستان کے مشابہ ایک کٹھ پتلی حکومت کا قیام اس سرزمین پر عمل میں لایا جائے گا اور یہ حکومت اس غریب و مظلوم قوم کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرے گی۔ اور عراقی سیاست کے افق پر ابھرنے والی نئی فوجی حکومت اس جدید اقتدار کی زنجیر کی ایک کڑی ثابت ہوگی جو مشرق وسطیٰ میں عنقریب جنم لے گی۔

یہ حکومتیں یہودی اور امریکی سیاست کے افق پر ابھرنے والی اعتدال پسندوں کے باہمی ناپاک اتحاد کے پس پردہ مقاصد کو بروئے کار لانے میں معاون ثابت ہوں گی۔ جو دو جداگانہ وجود پر مشتمل ہیں۔ ہر کوئی اس بات کو خوب سمجھتا ہے مشرق وسطیٰ کے ممالک میں موجودہ اقتدار کو الٹ دینے والے عناصر بغداد سے لیکر سعودی عرب کے شہر ریاض تک پھیلے ہوئے ہیں۔ تہران اور دمشق کے علاوہ ان ممالک کی فہرست میں عرب کے تیل سے مالا مال علاقوں کی بہت سی حکومتیں بھی شامل ہیں۔ اور ایسے ہی کچھ حالات سے ایران اور شام بھی دوچار ہیں۔

سابق اسرائیلی وزیر اعظم اور وزیر خارجہ "li Semon Peres" نے اپنی کتاب "The New Middle East" میں اس علاقے کے تعلق سے اپنے خیال کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔

انہوں نے کہا تھا "لازما مشرق وسطیٰ ایک مشترک مارکیٹ کی شکل میں ہمارے "معاہدۂ امن" کے حصول کے بعد وجود میں آئے گا۔ اور اس مشترک مارکیٹ کا وجود اس بھیر مفادات "Interest" کے حصول کے لئے معاون ہوگا جو ایک لمبے عرصے کے "امن معاہدہ" کے قیام کا موجب ہوگا۔

اس مارکیٹ کے تعلق سے انہوں نے ایک مقام پر ذکر کیا تھا کہ "یہ جدید روح "Seitqest" جماعت کے عزائم و مقاصد کی عکاسی کرے گی۔

اس میں اس شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ وہ "امن معاہدہ" جس کے بارے میں وزیر موصوف نے اظہار خیال کیا تھا۔ وہ "Pax Israe leha" تھی جس کے تحت علاقے کی تمام ہی ریاستوں کو یہودی مفادات کے لئے تعاون دینا ہوگا۔

پھر اردن کے ولی عہد حسن اس "معاہدۂ امن" سے مزید اتفاق نہ کریں گے کیونکہ انکی نظر میں معاہدہ کا حتمی مقصد "فلسطینی عوام کی عزت یا انکی آزادی کا حصول کبھی بھی نہیں تھا۔ نہ ہی انہوں نے کبھی بھی مبارک شہر یروشلم کی آزادی سے متعلق کبھی سوچا تھا۔ بلکہ انکے نزدیک "معاہدۂ امن" کا واحد مقصد مشرق وسطیٰ کے اندر پھیلے ہوئے ممالک میں ایک آزادانہ تجارتی علاقے "Zone" کا قیام تھا۔

پر یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ شہزادہ ولی عہد اور انکے جیسے بکھے ہوئے مسلم نام نہاد رہنما محض زبانی طور پر فلسطینی مسلمانوں کی آزادی کا راگ الاپنے والوں کے پس پردہ عزائم کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں حالانکہ مسلسل فلسطینی عوام کا خون انکی سرزمین پر بے دریغ بہایا جا رہا ہے۔ اور انکو ملک بدر کیا جا رہا ہے۔ اور یہودی آبادکاری کی مہم انکی سرزمین پر زیادہ زیادہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اور امریکہ خود یہودی آبادکاری کی مہم کو آگے بڑھانے کے لئے مالی تعاون مسلسل دیتا رہا ہے۔ اور یہودی تسلط کی مہم کو ہر چہار جانب سے اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔

پھر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ بغداد کی موجودہ حکومت کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے بعد تمام ہی معاشی اور سیاسی قبضہ دریائے فرات سے دریائے نیل تک یہودی مفادات کے حصول کے لئے کلیۃ ہموار ہوگی۔ کوئی بھی مسلم ملک ان سے مزاحمت کی جرأت نہ کر سکے گا۔

ابھی یہ بات نہیں کی جا سکتی ہے کہ یہ بہت جلد ہی ہو کر رہے گا۔ البتہ موجودہ مسلم دنیا کے حالات خصوصاً مشرق وسطیٰ کا بحران عظیم اور بھیانک مستقبل کی آمد کا اشارہ دیتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عرب ممالک سرزمین عراق پر کھیلے جانے والے خونریز کھیل کے باب میں زیادہ خوش گمانی کا شکار نہ ہوں۔ کیونکہ ظلم و بربریت کا کھیل جو اس سرزمین پر کھیلا جانے والا ہے وہ عنقریب یہودی انکے صحن خانہ میں بھی ضرور کھیلیں گے۔

فاعتبروا یا اولی الالباب

پس اے نگاہ بینا رکھنے والو عبرت حاصل کرو۔

مذاہب عالم

بدھ مت (۱)

انیس احمد فلاحی

بدھ مت کی تعریف : بدھ مت ایک ہندوستانی مذہب ہے جس کا ظہور سرزمین ہند پر پانچویں صدی قبل مسیح میں برہمنی مت کے بعد ہوا۔ آغاز میں اس کا ہدف انسانوں کے جملہ غموں اور دکھوں سے نجات دلانا تھا جو انکے نزدیک زہد و ریاضت کے بغیر ممکن نہیں البتہ بعد میں بدھ مت بھی مشرکانہ مذاہب کی طرح ایک مذہب بن گیا جس کے پیروکاروں نے اسکے مؤسس کو معبود کا درجہ دے ڈالا۔

بدھ مت کے ظہور کا تاریخی پس منظر :

گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت ہندوستان میں آریہ تمدن کسی ایک بڑی اور وسیع علاقے پر مشتمل حکومت جنم نہیں دے سکا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس سے بہت پہلے سے آریہ قوم کے افراد قبائلی نظام کو کسی حد تک ترقی دے کر ملک میں چھوٹی بڑی مختلف ریاستیں قائم کر چکے تھے ان ریاستوں میں تقریباً نصف بادشاہتیں اور نصف جمہوریتیں تھیں۔ عقیدے کے لحاظ سے اس وقت مذہب ہمہ اوست کا نظریہ عام تھا یعنی ایک عالمگیر روح ہے جو سب میں ساری ہے۔ اسمیں اور توحید میں فرق ہے۔ توحید میں خالق اور مخلوق الگ الگ ہیں مگر اس میں خدا ایک عالمگیر ذات ہے باقی سب اسی سے ہیں یا اس کا جزء ہیں اور اس میں مل جائیں گے۔ اور اس سے علیحدہ ہستی نہیں رکھتے۔

نیز تناسخ کا عقیدہ بھی عام تھا جو بعد میں ہندو فلسفے کا رکن رکین ہو گیا۔ سماجی اور مذہبی اعتبار سے اس زمانے کا امتیازی مسئلہ ذات کا تھا۔ کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملہ میں ذات برادری کی سد سکندری حائل تھی علاوہ ذات کی الجھن کے علاوہ ایک بڑی مصیبت اس زمانہ میں یہ تھی کہ برہمنوں کا زور تمدن ہر شعبے میں روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور ہندوؤں کے سماجی نظامات پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ مختلف عبادتوں نئی نئی قسم کی پرستشوں، طرح طرح کے چڑھاوے منتوں اور اعمال کا ایک ایسا مسلسل تار بندھا ہوا تھا کہ اس سے چھٹکارا پانا ایسا ہی محال تھا

جیسے لکڑی کے جالے سے غریب مکھی کا اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے کسی وقت بے جان رسوم اور اکتا دینے والے اعمال سے فرصت نہ تھی۔ گویا یہی مذہب تھا یہی عبادت تھی اور یہی معاشرت اور اس کا حاصل اور یہی راہ نجات تھی اور طرہ یہ کہ دن بدن وہ زنجیریں اور کڑی ہوتی جاتی تھیں۔ اور ان میں وہ نزاکتیں اور باریکیاں پیدا کی جاتی تھیں کہ مذہب وبال جان ہو گیا تھا۔ ان حالات میں گوتم بدھ نے آنکھیں کھولیں اور آپکی بعثت نے ایک نئی روح پھونک دی ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ سارے عالم میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے مردہ دلوں کو شگفتہ کر دیا۔ مایوسوں کو آس دی۔ امیر و غریب برہمن و شودر سب کو ایک نظر دیکھا۔ مساوات اور اخوت کی صدائے عام دی۔ اور یہی اسکی کامیابی کا راز تھا۔

بانی مذہب کی مختصر سوانح حیات :

نام و نسب : آپ کا اصلی نام گوتم سدھارتھ تھا۔ والد کا نام راجہ سدودھن تھا۔ جو نیپال اور اتر پردیش سرحد پر واقع شاکیہ ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ کی والدہ کا نام مہامایا تھا۔

تاریخ پیدائش : ۵۶۳ق م آپ لنبنی باغ میں اسوقت پیدا ہوئے جب آپ کی والدہ شاکیوں کی راجدھانی "کپل وستو" سے اپنے میکے دیودہا جا رہی تھیں اس واقعہ کے ۳۱۹ سال بعد اشوک نے اس جگہ ایک پتھر کا ستون نصب کرا کے (جو آجتک موجود ہے) اسکی تاریخی حیثیت کو مستند اور مسلم بنا دیا۔

تعلیم و تربیت: گوتم کے والد نے انکی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ کی آپ نے مروجہ علوم و فنون کے ساتھ سارے مردانہ فنون سیکھے تھے۔ خصوصاً تیر اندازی جس میں انہوں نے خصوصی امتیاز پیدا کر لیا تھا۔

بدھ روایات کے مطابق انکی پیدائش پر ایک نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر انہوں نے دنیا کے مصائب کا مشاہدہ کر لیا تو تارک الدنیا ہو جائیں گے ورنہ انکی خدمت میں دنیا کی بادشاہت ہے۔ آپ کے والد نے یہ سن کر اس بات کا بڑا اہتمام کیا کہ وہ مصائب و آلام سے آشنا بھی نہ ہو سکیں اور انہیں مختلف مشاغل اور سیر و تفریح میں اس طرح مشغول رکھا کہ انکی توجہ مصائب کی جانب نہ جا سکے لیکن اس عیش و عشرت کی زندگی کے باوجود انکی طبیعت میں غور و فکر کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ساری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود انہیں ایک مرتبہ

اپنے ملازم کے ساتھ باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ اور یکبارگی چند ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے انکی زندگی یکسر بدل دی۔

ایک دن شہزادہ ایک پر تکلف آراستہ رتھ میں سوار ہو کر شہر کی گلیوں میں گھومنے نکلا کہ اسکی نظر ایسے بوڑھے پر پڑی جو لڑکھڑاتا ہوا اپنی جھونپڑی سے نکل رہا تھا اور اس کے جسم پر چیتھڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر شہزادہ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ پھر ایک مریض پر پڑی جو حالت مرض اور شدت تکلیف سے بے قرار تھا۔ پھر ایک لاش دیکھی جسے گریہ و بکا میں مصروف لوگوں کی ایک بھیڑ لئے جا رہی تھی وہ دم بخود ہو گیا اور خاموشی کے عالم میں گھر آگیا اور زندگی کے معمے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے اپنے دل میں اس طرح سوچنا شروع کیا، یہاں اس زندگی میں پیدا ہونا، بوڑھا ہونا، مر جانا اور پھر دوبارہ پیدا ہونا ہے لیکن افسوس کہ اس اذیت اور مصیبت سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے بڑھاپے اور موت سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک تارک الدنیا فقیر پر آپ کی نگاہ پڑی جس کے چہرے پر متانت و اطمنان کی کیفیت نمایاں تھی۔ ان واقعات نے ان پر گہرا اثر ڈالا۔ زندگی کیا ہے؟ اسمیں اس درجہ مصائب و آلام کیوں ہیں؟ ان سے نجات کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟

ان سوالات کا تسلی بخش جواب پانے کے لئے آپ اپنے گھر سے اس رات نکل پڑے جس رات آپ کے ہاں ایک بیٹا "راہل" پیدا ہوا تھا۔

یہ روایت بدھ مذہب کی جملہ مقدس کتابوں میں تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ غور کیجئے! وہ بدھ جسے معبود اعظم کا درجہ حاصل ہے اسے ۲۹ سال کی عمر تک موت مرض اور بڑھاپے کے اسباب معلوم نہیں تھے۔ یہانتک کہ ان کے متعلق اپنے محافظ سے انہیں پوچھنا پڑا۔ اور پھر کیا ان طبعی و فطری قوانین کو توڑنا انسان کے بس میں ہے؟

گوتم بدھ کا علمی سفر:

۲۹ سال کی عمر میں آپ نے سنیاس کی راہ اختیار کی۔ مسلسل چھ برس تک وہ اپنے مسئلے کے حل کی تلاش میں سرگرداں رہے اور اپنے دور کے مشہور فلسفیوں اور عالموں جیسے آلارا ملکاما اور اُودارکا رام پتر سے کسب فیض کیا۔ لیکن جب کتابی علم انکی جستجو کا حل پیش نہ کر سکا تو آپ نے سخت ریاضت اور نفس کشی کا طریقہ اختیار کیا اور ترک دنیا کی انتہا درجہ کی سختیاں

جھیلیں فاقے کرتے کرتے آپ کا بدن ہڈیوں کا پنجر رہ گیا۔ اور وہ مرنے کے قریب ہو گئے۔ چنانچہ اس طریقے کو ترک کر کے آپ نے غور و فکر اور مراقبے کی راہ اپنائی۔ سات دن تک مسلسل ایک پیپل کے درخت کے نیچے گھاس کا آسن بنا کر اپنے مخصوص مراقبے کے انداز میں بیٹھے رہے تا آنکہ رات کے پہلے پہر آپ کو اچانک وہ کیفیت حاصل ہو گئی جسے عرفان کہتے ہیں۔ یہ عرفان آپ کو جس مقام پر حاصل ہوا اسے "بدھ گیا" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ علم جو قدیم ہندوستان میں اعلیٰ روحانیت کا خاصہ سمجھا جاتا تھا اسے بدھ مت میں نروان کہتے ہیں۔

۳۵ سال کی عمر میں نروان حاصل کرنے کے بعد اپنی بقیہ عمر کے تقریباً ۴۵ سال گوتم بدھ نے زندگی کے مسئلے اور اسکے متعلق اپنے دریافت کردہ حل کی تبلیغ میں شمالی ہندوستان اور خاص طور پر اسکے مشرقی حصہ میں گھوم کر گزارے۔ ۸۰ سال کی عمر میں بنارس سے ۱۲۰ میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں "کسی نارا" کے مقام پر آپ کا انتقال ہوا۔

گوتم بدھ کی تعلیمات: آپ کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ زندگی ایک مصیبت ہے اور زندگی اور اسکی لذت کی خواہش اس مصیبت کا باعث ہیں اس خواہش کا مٹانا مصیبت کا کم کرنا ہے اور یہ خواہش پاک زندگی سے مٹ سکتی ہے۔ ہمیشہ صداقت، نیکی، ہمدردی، مہربانی اور خیر پر قائم رہنا چاہئے۔ غرض تزکیہ نفس اس تعلیم کا بڑا اصول ہے اس دنیا میں پاک اور نیک زندگی بسر کر کے بلا لحاظ سزا و جزا تزکیہ نفس حاصل کرنا اس کا اصل مقصد ہے اور یہی بے گناہ اور پاک زندگی نروان ہے۔ آپکی تعلیمات بدھ مت میں چار مقدس حقائق کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

۱: پہلی عظیم حقیقت: غم کا وجود ہے۔ گوتم بدھ کہتے ہیں: "اس کرۂ ارض پر گزاری جانے والی زندگی یقیناً اندوہ گیں ہے زوال پذیر و افسوسناک ہے۔ بیماری، موت، غیر پسندیدہ لوگوں سے اتحاد اور پسندیدہ سے علیحدگی رنج کا باعث ہوتی ہے"۔

مختصراً یہ کہ رنج و تکلیف ایک کائناتی حقیقت ہے اس میں تبدیلی خلا، عدم تکمیل اور تصادم کا مفہوم بھی شامل ہے۔ بدھ مت میں دکھ کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں (۱) دکھ دکھا تا۔ یعنی دکھ اپنے عمومی مظاہر میں جسکو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ (۲) سمکھارا دکھا تا۔ یعنی زندگی میں کسی مستقل عنصر کے بغیر ایک سلسلہ علت و معلول کی پابند نمو کے سبب سے جو دکھ محسوس کیا جائے۔ (۳) ویپاریناد دکھاتا۔ یعنی زندگی کی تغیر پذیری اور بے ثباتی کے سبب جو دکھ

جھیلا جائے۔

۲ : دکھ کا سبب خواہش ہے۔ گوتم بدھ کے الفاظ میں "رنج و محن کی ابتداء کے بارے میں اعلیٰ درجہ کی سچائی یہ ہے کہ یہ وہ مسلسل خواہش ہے جس کا تعلق لطف اندوزی سے ہے اور وہ جو ہر جگہ حظ نفس کی متلاشی رہتی ہے یہی اس رنج و غم کا سبب ہے"۔ اور پھر اس طلسم نیرنگ کے پیچھے بھی گوتم بدھ کے قول: "طلب یا خواہش ہی کا بھوت کار فرما ہے۔ گوتم بدھ کہتے ہیں:

بھکشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی کوئی اور زنجیر نہیں جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک جنم کے بعد دوسرے جنم میں ایک طویل عرصہ سے طلسم وجود کے چکر لگا رہی ہیں۔ یقین جانو بھکشوؤ اسی خواہش کی زنجیر میں گرفتار مخلوقات طلسم وجود میں سرگرداں، اسکے چکر لگاتی رہتی ہیں۔

۳ : غموں اور رنج و محن کا خاتمہ ممکن ہے۔ گوتم بدھ کے خیال میں خواہش یا طلب دکھوں کے اس سلسلہ کی جڑ ہے۔ تو تیسرے عظیم سچ کے مطابق خواہش و طلب کے استیصال سے دکھ کا ازلی جال توڑا جا سکتا ہے اور اس حالت میں پہونچا جا سکتا ہے جہاں خواہشات کی پیدا کردہ تکالیف اور انکی غلامی سے مکمل آزادی میسر آجاتی ہے۔ اور انسان جنم مرن کے چکر سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پاکر نروان حاصل کر سکتا ہے۔

۴ : چوتھا عظیم سچ وہ اشٹانگ مارگ (ہشتگانہ راہ، ہشت پہلو راستہ) ہے جس پر چل کر دکھوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، اسے درمیانی راہ بھی کہتے ہیں اسے تن پروری اور تعذیبِ نفس یا خود آزادی کی دو انتہاؤں کے درمیانی راہ کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یہ درمیانی راہ آٹھ فرائض یا اصولوں پر مشتمل ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ : صحیح نقطۂ نظر : یعنی زندگی کے بارے میں بدھ مت کے نقطۂ نظر اور خاص طور سے انکی تعلیم کردہ چار عظیم سچائیوں کو غیر مشروط طریقے سے مان لینا ہے۔

۲ : صحیح نیت و ارادہ : یعنی ایسے خیالات اور جذبات کو پیدا کرنا جو تمام غلاقی برائیوں مثلاً غصہ، نفرت، لذت پرستی اور تشدد وغیرہ سے پاک اور تمام مخلوقات کے لئے ہمدردی، محبت اور ایثار کے حامل ہوں۔

۳ : صحیح قول : اس رکن میں ہر ایسی گفتگو سے بچنا شامل ہے جو کسی طرح بھی شر اور برائی

کا سبب ہے۔ جھوٹ کی ہر قسم کے علاوہ، غیبت، چغل خوری فضول گوئی اور ایسی ہر وہ گفتگو جس سے کسی کی دل آزاری ہو وہ بھی صحیح گفتار کے خلاف سمجھی جائے گی۔

۴ : صحیح عمل : بدھ مت میں ممنوع و محرم اشیاء سے بچنا اور ان تمام اعمال کو سر انجام دینے جن کا حکم دیا گیا ہے صحیح عمل میں شامل ہے۔ نیز اس میں وہ پانچ اخلاقی اصولوں پر عمل بھی داخل ہے جس کا عہد بدھ مت کے ہر پیرو کو کرنا ہوتا ہے۔

۱ : کسی جاندار کو نہ مارنا (۲) چوری سے پرہیز (۳) جنسی بے راہ روی سے بچنا (۴) جھوٹ نہ بولنا (۵) نشہ آور چیزوں کا استعمال نہ کرنا۔

۵ : حلال روزی : ذریعہ معاش ایسا اختیار کرنا جس سے کسی نفس کو آزار نہ پہونچے۔

۶ : صحیح کوشش : پسندیدہ جذبات و خیالات کو پیدا کرنے اور ان کو مستقل طور سے اختیار کرنے نیز ناپسندیدہ جذبات و خیالات کو ابھرنے سے روکنے اور دل و دماغ سے بالکل نکال پھینکنے کے سلسلے میں جو کوشش درکار ہے وہ صحیح کوشش کے نام سے موسوم ہے۔

۷ : صحیح ہوشیاری : جسم، احساسات اور ذہن کی ہر حالت پر پوری باخبری کے ساتھ توجہ دینا۔

۸ : صحیح مراقبہ : یہ بدھ مت کی سب سے اہم عبادت ہے۔ گوتم بدھ کو نروان مراقبہ میں ہی حاصل ہوا اور انکے پیروں کے لئے بھی بغیر صحیح مراقبہ کے نروان تک پہونچنا ممکن نہیں ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اگرچہ بدھ سکھاتا ہے کہ ہر شخص کو کسی نجات دہندہ کی اعانت کے بغیر اپنی نجات کی راہ خود پیدا کرنی چاہئے مگر بدھ مت کی دونوں شاخوں میں خود بدھ پر عقیدہ (ایمان) رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے مہایانہ بدھ مت میں بدھ نجات دہندوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ تھیرواد بدھ مت میں ہر عبادت گزار اپنی روز آنہ کی عبادت میں کہتا ہے! "میں بدھ کی پناہ لیتا ہوں"۔

بدھ کونسلیں :

گوتم بدھ کے انتقال کے بعد مختلف ادوار میں آپکی تعلیمات کو محفوظ کرنے اور بدھ مت کی آئندہ نشو و نما کو متعین کرنے اور بدھ مت میں در آئے اختلافات و بدعات کے خاتمہ کے لئے بدھ سنگھ کی جو اجتماعی نشستیں منعقد ہوئیں انہیں بدھ کونسلوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انکی تعداد چار ہے۔

۱ : پہلا بدھ اجتماع : گوتم بدھ کے انتقال کے فوراً بعد آپکے ایک قدیم شاگرد مہا کشیپا کی

صدارت اور ریاست مگدھ کے راجہ اجات شترو کی زیر سرپرستی مگدھ کی راجدھانی "راج گرہا" میں منعقد ہوا۔ بدھ روایات کے مطابق اس میں پانچ سو منتخب بھکشوؤں نے حصہ لیا۔ اس اجتماع میں آنندا کے مشورے کے مطابق بدھ مت کے شرعی قوانین (ونیا) اور دینیات (دھما) کے حصے مرتب ہوئے۔ اور "سنگھ" نے مذہبی معاملات میں اپنے مختار اعلیٰ ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے بعض بھکشوؤں پر لگائے گئے الزامات سے متعلق فیصلہ بھی کیا۔

۲ : بدھ مت کا دوسرا اجتماع : بدھ کے انتقال کے سو سال بعد ویشالی (بنارس) میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں بھکشوؤں نے شرکت کی۔ اس اجتماع کا اصلی مقصد بدھ مت میں در آئی تحریف، بدرسومات اور الحاد کا خاتمہ تھا۔

بدھ کے حلقہ اثر کے وسیع ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بھکشوؤں کے ایک طبقے میں روایت پسندی اور دوسرے طبقہ میں اجتہاد و آزاد خیالی بڑھتی گئی۔ اور اس اجتماع میں روایت پسندوں کو آزاد خیالوں پر غلبہ حاصل ہوا اور ان پر الحاد کا فتویٰ صادر کرا دیا گیا۔ جس سے بدھ مت دو فرقوں میں بٹ گیا۔

۳ : بدھ مت کا تیسرا اجتماع : اشوک کے راجدھانی پاٹلی پتر (پٹنہ) میں ۲۴۳ ق م کے لگ بھگ اس وقت کے ممتاز ترین بھکشو تیسا موگالی پتا کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں تقریباً ایک ہزار بھکشوؤں نے حصہ لیا۔ اس اجتماع کا مقصد بدھ سنگھ میں در آئی ہوئی بدعات کا قلع قمع اور بدھ تعلیمات کو انکی خالص شکل میں ترتیب تھی۔ چنانچہ تمام بدعات اور ان پر عمل پیرا بھکشوؤں کو بدھ سنگھ سے خارج کر دیا گیا۔ اور متفق علیہ خالص تعلیمات کو تین مجموعوں میں مرتب کر لیا گیا۔ یہی مجموعے آج تری پتکا کے نام سے جانے جاتے ہیں جو ہنایان یا تھیرواد بدھ مت کی مقدس کتابیں ہیں۔

اس اجتماع کے بعد ہندوستان، سری لنکا، جنوب مشرق میں ہند، چین، ملایا، سماٹرا، یونان، مصر، شام، افغانستان وغیرہ مبلغین کی جماعتیں روانہ کی گئیں جنکی کوششوں سے بدھ مت ایک بین الاقوامی مذہب بن گیا۔

۴ : بدھ مت کا چوتھا اجتماع : راجہ کنشک کے عہد میں پہلی صدی مسیح کے اختتام پر منعقد ہوا جس کا بنیادی مقصد گوتم بدھ کی تعلیمات کی ایسی تشریح و تفسیر کرنا تھا جو دوراز کار تاویلات سے خالی ہوں۔

بدھ مت میں خدا کا تصور :

کیا بدھ مت میں خدا کا تصور ہے۔ یا گوتم بدھ ملحد تھے۔ یہ ایک اختلافی سوال ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ "چار بنیادی صداقتوں میں خدا کو تسلیم کئے بغیر اور اسکی پرستش و بندگی اور اسکے قانون کے اتباع کے بغیر انسانی دکھوں کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔

اس مسئلے میں محققین کے دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

پہلی رائے :

گوتم بدھ ملحد تھے : اس طبقہ کے دلائل درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل : بدھ کے تعلق سے یہ روایت مشہور ہے کہ دو ہندو راہب آپکی خدمت میں آئے جو برہما کی ذات سے حلول کے خواہش مند تھے اور انکے درمیان اسکے طریقے میں اختلاف تھا۔ انہوں نے اس مسئلہ میں "گوتم بدھ کو اپنا حکم بنایا۔

آپ نے ان دونوں سے پوچھا :

"کیا تم دونوں خدا کے مسکن سے واقف ہو ؟"

ان دونوں نے کہا، نہیں۔

گوتم بدھ نے پوچھا کیا تم دونوں نے خدا "برہما" کو دیکھا ہے ؟

ان دونوں نے کہا، نہیں۔

گوتم بدھ نے پوچھا کیا تم دونوں برہما کی فطرت سے واقف ہو ؟

ان دونوں نے کہا، نہیں۔

گوتم بدھ نے پوچھا کیا تم دونوں سورج کے ساتھ حلول و اتحاد پر راضی ہو ؟

ان دونوں نے کہا، نہیں، کیونکہ وہ ہم سے دور اور جلا دینے والا ہے۔

گوتم بدھ نے کہا، جب سورج کے ساتھ اتحاد و حلول ممکن نہیں درانحالیکہ یہ مخلوق ہے تو اپنے خالق کے ساتھ حلول و اتحاد کیونکر ممکن ہوگا۔

پھر گوتم بدھ نے ان دونوں راہبوں سے کہا کہ کیا برہما حاسد اور متکبر ہے دونوں راہبوں نے جواب دیا! نہیں۔

گوتم بدھ نے کہا اور کیا تمہارے اندر حسد، نفرت اور غرور نہیں پایا جاتا۔

دونوں راہبوں نے کہا، ہاں پایا جاتا ہے۔

اس پر گوتم بدھ نے کہا پھر تم دونوں کے لئے برہما کی ذات سے مل جانے اور تمہاری روح کے اسکے اندر حلول کیونکر ممکن ہے جبکہ تمہاری فطرت اسکی فطرت سے مختلف ہے۔

(بدھ درشن ص ۱۱۴)

دوسری دلیل : ایک مشہور ہندو عالم واشتھا اور بدھ کے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو بدھ نے پوچھا کیا تم نے اپنی آنکھوں سے برہما کو دیکھا ہے ؟ اس پر واشتھا چپ رہ گئے۔

تیسری دلیل : ۵۰ ق م سے لے کر ۱۲۰۰ء تک کے مختلف محققین اور عالموں کا اس امر پر اجماع ہے کہ گوتم بدھ ملحد تھے۔ اور بدھ مت خدا کا منکر ہے۔

جیسے تان سین ۵۰ ق م۔ ناگا ارجن ۱۵۷ء، آنگھو ۶۰ ۲ء، ہیوین سانگ ۶۰۰ ء، دھرم کیرتی ۶۳۵ء، شانت رکھشت ۷۵۰ء اور شرکیاشری بدر ۱۲۰۰ء نے صراحتاً گوتم بدھ کو دہریہ "ناستک" قرار دیا۔

چوتھی دلیل : بدھ مت کی چاروں مقدس صداقتوں میں خدا کا ذکر موجود نہیں اور گوتم نے انتقال کے وقت اپنے مشہور شاگرد آنند کو اللہ پر ایمان لانے کی تلقین و وصیت نہ کی بلکہ ماورائی طاقت کے سہارے کے بجائے نروان کے لئے ارتقائے نفس اور اپنے نفس پر تکیہ کرنے کی وصیت کی۔

دوسری رائے :

گوتم بدھ خدا کے قائل تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ کوئی دین پروردگار کے اقرار و اعتراف کے بغیر پایا ہی نہیں جاسکتا۔ کیونکہ خالق کائنات کا اعتراف جملہ مذاہب کے درمیان مشترک اور بنیادی شئی ہے۔

اس رائے کے دلائل درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل : "خدا" کا لفظ مختلف بدھ کتابوں میں آیا ہے۔

دھرما نند کو سمبی جی کہتے ہیں "خاص ایشور" خدا کے لفظ کا ذکر اشتر نکائے کے (باب ۲۱) میں اور "کے دیودمن" کے ۱۰۱ میں آیا ہے۔

منکرین کا خیال ہے کہ ان کتابوں میں خدا جملہ صفات سے عاری ہے اور صفات سے عاری خدا کا تصور بے فائدہ ہے اور گوتم بدھ نے خدا کو کسی ایسی صفت سے متصف نہیں مانا ہے جس سے اس کا وجود ثابت ہو سکے۔

دوسری دلیل : بدھ مت میں خدا کا وہ تصور نہیں تھا جو برہمنی مت میں برہما کا ہے بلکہ بدھ مت کے پیروکار گوتم بدھ کو برہما پر فوقیت دیتے ہیں اس لئے منکرین نے بدھ پر یہ الزام لگا دیا کہ وہ منکر خدا تھے۔

دوسرے طبقہ کا کہنا ہے ! بدھ کو ناستک درحقیقت ان برہمنوں نے قرار دیا جنکے نسلی امتیاز پر انہوں کاری ضرب لگائی تھی۔ اور اس شبہے کو درج ذیل اسباب سے مزید تقویت ملی۔

۱ : گوتم بدھ برہمنوں کے نسلی امتیاز کے خلاف تھے اس سے برہمنوں نے انھیں دہریہ اور وید کا مخالف مشہور کردیا حالانکہ انہوں نے کبھی وید کی مذمت نہیں کی تھی ہاں انہوں نے ویدک دھرم کی بعض تعلیمات پر تنقید ضرور کی تھی۔

مثلاً : نسلی امتیاز، یجیہ اور یگیوں میں جانوروں کی اندھا دھند قربانی۔

۲ : "سدھارتھ" ساتویں بدھ گزرے ہیں۔ ان سے پہلے چھ بدھ گزر چکے تھے۔ ان میں سے بعض منکر خدا تھے اور یہ الزام سابقہ بدھوں پر نہ لگا کر غلطی سے بعض محققین نے آخری بدھ "سدھارتھ" پر چسپاں کر دیا۔

۳ : بدھ تعلیمات مابعد الطبیعی مسائل سے خالی کیوں کر ہو سکتی ہیں۔ جبکہ بدھ مت شرک کا داعی ہے اور بدھ بھکشوؤں نے گوتم بدھ کو معبود اعظم کا درجہ دے رکھا ہے۔

بہر حال معاملہ کچھ بھی ہو۔ خدا انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اور اس سے گریز ممکن نہیں۔ اور خدا کے وجود کو تسلیم کیے بغیر زندگی کے کسی بھی مرحلے میں دکھوں اور غموں سے نجات ممکن نہیں۔

چنانچہ بدھ مت جو مابعد الطبیعیاتی مسائل اور الوہیاتی مباحث سے اپنا دامن بچا کر گزرنا چاہتا تھا وہ سرتاپا شرک میں غرق ہو گیا۔ ہندو دیومالا کو اپنانے کے علاوہ اس نے ہر علاقے کے مقامی دیوتاؤں کو اپنایا۔ خود گوتم بدھ کو خدائی کا بلکہ آگے بڑھ کر خدائے اعظم کا مقام دے دیا گیا اور پھر بدھ اور بدھ ستوں کے نام سے بہت سی شخصیتیں فرض کی گئیں اور ان سب میں خدائی صفات مان لی گئیں، حتی کہ بدھ مت کی اپنی مشرکانہ دیومالا اور مشرکانہ نظام پرستش تیار ہو گیا۔ جو کسی بھی دینِ شرک سے کم شاندار نہیں۔

فقہ فتاویٰ

ابو راقم فلاحی

سوال : کیا جانور کا خصی یا بد ھیا ہونا عیب ہے ؟

جواب : جانور کا خصی اور بدھیا ہونا عیب نہیں ہے خصی جانور کی قربانی بالاتفاق جائز و درست ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے دو خصی مینڈھوں کی قربانی ثابت ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔

"ان النبی ﷺ ضحیٰ بکبشین املحین موجوئین"۔ (حدیث نمبر ۲۷۹۸)

نبی اکرم ﷺ نے دو سفید و سیاہ اور خصی مینڈھوں کی قربانی پیش کی۔

(علامہ ھیثمی نے اسکی سند کو حسن قرار دیا ہے۔)

نیز خصی کرنے سے جانور کا گوشت عمدہ اور فربہ ہوتا ہے دراصل یہ وہ عیوب مانع اجزاء ہیں جن سے قربان کئے جانے والے جانور کا گوشت یا جلد متاثر ہو جائے۔

سوال : کیا قربانی کا گوشت کفار و مشرکین کو کھلانا جائز و درست ہے۔

جواب : قربانی کا گوشت کفار و مشرکین کو کھلانا جائز و درست ہے۔ کیونکہ قربانی سنت ہے اس لئے دیگر صدقات نافلہ کی طرح اس کا صدقہ بھی کافروں کو دینا جائز ہوگا۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

"و یجوز ان یطعم منہا کافرا وبہذا قال الحسن و ابو ثور و اصحاب الرای"۔ (المغنی)

قربانی کا گوشت کافر کو کھلانا جائز ہے اور یہی رائے حسن بصری، ابو ثور اور احناف کی بھی ہے۔

سوال : کیا بھینس کی قربانی جائز ہے۔

جواب : بھینس کی قربانی جائز و درست ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔ "و یدخل فی البقر الجاموس لانہ من جنسہ" (۹/ص ۵۳۱)۔

گائے میں بھینس داخل ہے کیونکہ یہ اسی کی جنس سے ہے۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

نو واردان بساط چمن :

بحمد اللہ جامعہ اپنے ارتقائی سفر کی منزلیں تیزگامی سے طے کر رہا ہے۔ چنانچہ ہر سال تعلیمی و تربیتی فرائض و واجبات کے نو بہ نو تقاضے سامنے آتے ہیں۔ جن کی تکمیل کے لئے مزید اساتذہ و اتالیق کی ضرورت در پیش ہوتی ہے اس لئے ہر سال ہی چند آزمودہ کار ارباب علم و آگہی کے ذریعہ بعض گوشہ ہائے چمن کی لالہ بندی ہوتی ہے۔ دفتر نظامت سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق شعبہ حفظ میں جناب حافظ و قاری ضیاء الرحمٰن صاحب قاسمی کی تقرری عمل میں آئی ہے۔ آپ نے احیاء العلوم مبارکپور سے قرأت سبعہ و عشرہ سیکھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی ہے۔ اور شعبہ طلبہ میں جناب عبدالودود صاحب فلاحی کی تقرری عمل میں آئی۔ موصوف جامعہ ہی سے عالمیت اور فضیلت کے بعد معید کی حیثیت سے شعبہ عربی میں دو سال پڑھا چکے ہیں۔

محترم ابو طلحہ صاحب کی تقرری شعبہ ثانوی طلبہ میں بحیثیت حساب ٹیچر کے ہوئی ہے۔ موصوف نے شبلی نیشنل ڈگری کالج سے بی ایس سی کیا ہے۔ اور شعبہ رابطۂ عامہ میں محترم نسال الدین فلاحی علیگ صاحب کی تقرری عمل میں آئی ہے۔

ادارہ ان تمام حضرات کا خیر مقدم کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام ہی افراد کو حسن و خوبی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے اور جامعہ کی ہمہ جہتی تعمیر و ترقی میں فعال تعاون پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مسجد کے باہر خالی میدان میں لہلہاتی کیاریاں :

مسجد کے باہر پورب اور دکھن کی طرف خالی میدان میں مختلف سبزیوں اور پھولوں کی

کیاریاں ایک انتہائی خوشنما منظر پیش کر رہی ہیں۔ نماز کے لئے جاتے وقت ان حسین مناظر کی دید ذہن و دماغ کی کلفتوں کو دور اور ایک نئی تازگی فراہم کرتی ہے۔

اظہار تعزیت :

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب، مہتمم جامعۃ الفلاح و صدر انجمن طلبہ قدیم کی والدہ اور سابق ایڈیٹر حیات نو جناب مولانا عبد البر اثری صاحب فلاحی کی دادی محترمہ امینہ خاتون صاحبہ مختصر علالت کے بعد اپنے گاؤں وملہ (ضلع مدھوبنی، بہار) میں ۱۲ جنوری کی شام کو بہ عمر ۹۰ سال انتقال کر گئیں۔ موصوفہ انتہائی دیندار اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں۔ جامعۃ الفلاح اور تحریک اسلامی سے آپکی گہری وابستگی تھی جسکی واضح دلیل آپکے تین لڑکوں اور متعدد پوتوں کی جامعہ سے اپنی تعلیم کی تکمیل اور جماعت سے وابستگی ہے۔

ادارہ حیاتِ نو پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور انکے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

تربیتی کیمپ برائے عازمین حج کا انعقاد : ۳ جنوری ۲۰۰۲ء بروز جمعہ ابو اللیث ہال میں قرب و جوار کے عازمین حج کے لئے ایک تربیتی پروگرام منعقد ہوا جس میں علاقہ کے عازمین حج شریک ہوئے۔ شرکاء میں خواتین بھی تھیں جن کے لئے پردے کا خصوصی نظم تھا۔ کیمپ کا آغاز ساڑھے دس بجے صبح ناظم کیمپ مولانا مقبول احمد فلاحی کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے عازمین حج کو مبارکباد دی اور اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے اخلاص کی اہمیت پر زور دیا۔ اس کے بعد مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے فریضہ حج کی اہمیت، مقاصد اور ثمرات پر روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ حج ایک جامع عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ سے عہد بندگی تازہ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب نے حج کے فضائل و آداب بتائے اور عازمین حج سے اپیل کی کہ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران ایمانی

جذبات اپنے اندر پیدا کریں اور صحیح اسپرٹ کے ساتھ مناسک ادا کرنے کی کوشش کریں۔ مولانا محمد شعیب صاحب ندوی نے احرام، طواف، سعی، قربانی اور وقوف عرفہ وغیرہ سے متعلق احکام و مسائل بیان فرمائے اس کے بعد نماز جمعہ کے لئے وقفہ ہوا خطبہ جمعہ میں مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے تعمیر کعبہ سے متعلق آیات کی روشنی میں بیت اللہ کی اہمیت و مرکزیت واضح کی اور اسوۂ ابراہیمی کی پیروی پر ابھارا جمعہ کے بعد شرکاء کو حج سے متعلق ایک ویڈیو کیسیٹ دکھائی گئی جس کو کافی دلچسپی سے لوگوں نے دیکھا اور اس سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مولانا اظہار احمد صاحب فلاحی نے مناسک سے متعلق عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا اور احرام و طواف کی مختلف عملی باریکیاں سمجھائیں، مناسک حج سے متعلق سوالات کا جواب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے دیا اور آخر میں مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی نے اپنے اختتامی کلمات میں عازمین حج کو اہم ہدایتیں دیتے ہوئے، اخلاص، صبر و تحمل اور ایثار و قربانی پر ابھارا۔ موصوف کی دعا پر یہ کیمپ اختتام پذیر ہوا۔

یوم جمہوریہ کی تقریب :

سرپرست جمعیۃ الطلبہ جناب مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی کے زیر نگرانی ابو اللیث ہال میں یوم جمہوریہ ۲۶ جنوری کی تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اور پھر ترانہ ملی کے بعد ۲۶ جنوری کی مناسبت سے مختلف طلبہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ایک مقرر نے یوم جمہوریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ ہندوستان کو ایک مقتدر اشتراکی لادینی اور عوامی جمہوریہ کہا جاتا ہے ۱۹۴۶ء میں دستور اساسی کو تیار کرنے کے لئے ۳۸۵ ارکان پر مشتمل مجلس قانون ساز کا انتخاب عمل میں آیا جس نے اگست ۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر امبیڈکر کی صدارت میں ایک مسودہ کمیٹی کی تشکیل کی اس کمیٹی کے ذریعہ تیار کردہ مسودہ کو ہندوستان کے دستور اساسی کی حیثیت سے ۲۶/ نومبر ۱۹۴۹ء کو مجلس قانون ساز نے

منظور کر لیا اور ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو اس دستور کا نفاذ عمل میں آیا اسی لئے اس دن کو یوم جمہوریہ کہا جاتا ہے اور ہر سال یہ دن سرکاری طور پر پورے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

علمی مجلہ کا اجراء:

مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر نے جامعہ سے عربی زبان میں ششماہی پرچہ کے اجراء کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ مجلہ ادارہ علمیہ کے تحت شائع ہوگا۔ اس کی مجلس ادارت اور مجلس مشاورت کی تفصیلات اگلے شمارے میں ہدیۂ قارئین کی جائیں گی۔ انشاء اللہ۔

مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ جامعہ کے احوال و کوائف پر مشتمل سہ ماہی خبر نامہ اردو میں شائع کیا جائے تاکہ ہمدردان جامعہ، جامعہ کی تازہ پیش رفت سے باخبر رہیں اور اس سلسلے میں اپنے مفید مشوروں اور تجاویز سے جامعہ کو آگاہ کرتے رہیں۔

تعطیلات تعلیمی سال:

دفتر اہتمام سے موصول شدہ خبر کے مطابق نئے سال ۲۰۰۲ء / ۲۰۰۳ء کی تعطیلات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ تعطیل عید الاضحیٰ: ۹ر ذی الحجہ تا ۱۳ ذی الحجہ مطابق ۱۱ فروری بروز شنبہ تا ۱۵ فروری بروز شنبہ

۲۔ تعطیل گرما: ۲۴ مئی شنبہ تا ۱۹ جون جمعرات

۳۔ تعطیل کلاں: ۲۶ شعبان تا ۵ شوال مطابق ۲۲ اکتوبر ۲۲/ اکتوبر بروز بدھ تا ۲۹ نومبر بروز شنبہ۔

☆☆☆